اللہ تعالیٰ کے رحم اور فضل کے ساتھ

ماہنامہ

قندیلِ ادب

مدیر

رانا عبدالرزاق خان

rana_razzaq@hotmail.com

07886304637 & 02089449385

معاون مدیر و ڈیزائنر:

عامر امیر

07903126126

majeedamer20@yahoo.com

نگران ویب سائٹ:

ایاز احمد راٹھور

www.bazmesherosukhan.co.uk

قندیلِ اَدب اِنٹرنیشنل اگست ۲۰۱۳ء

وضاحت۔ قندیلِ اَدب انٹرنیشنل کسی سیاسی سماجی مذہبی گروہ یا فرقے کا ترجمان نہیں یہ نسل یا فرقوں کے امتیاز سے بالا تر ہے یہ صرف ادب کی ترقی و ترویج کے لئے جاری کیا گیا ہے اس میں شائع ہونے والے مضامین سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں قارئین کو آراء یا مضامین سے اختلاف کا حق حاصل ہے اور اس کے صفحات حاضر ہیں۔ تحریر کے ساتھ اپنا مکمل ایڈریس اور فون نمبر ضرور ارسال کریں یہ آپ کا اپنا میگزین ہے۔

فہرست مضامین

ناصر کاظمی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔غزل
ساغر صدیقی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔غزل
ناصر کاظمی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔غزل
ادا جعفری۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔غزل
عبدالکریم قدسی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔غزل
جون ایلیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔غزل
پروین شاکر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔غزل
محسن نقوی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔غزل
شاہدہ حسن۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔غزل
عدیم ہاشمی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔غزل
ثمینہ راجہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔غزل
فاطمہ حسن۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔غزل
سعداللہ شاہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔غزل
صائمہ علی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔غزل
شاعر کا مقام۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔عاصی صحرائی
قتیل شفائی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔غزل
فیض احمد فیض۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔غزل
احمد ندیم قاسمی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔غزل
سیف الدین سیف۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔غزل
خواجہ عبدالمومن نا روے۔۔۔۔۔۔۔۔غزل
ابن کریم۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔غزل
مبارک صدیقی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔غزل
باسط کانپوری۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔غزل
ہارون الرشید۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔غزل
اَرشاد عَرشی ملک۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔غزل
چودھویں صدی کے مُلاؤں کی اَقسام ۔۔ ابنِ لطیف
بہو کی تلاش۔۔۔۔۔۔۔۔ارشاد عرشی ملک

اور

مہکتی کلیاں

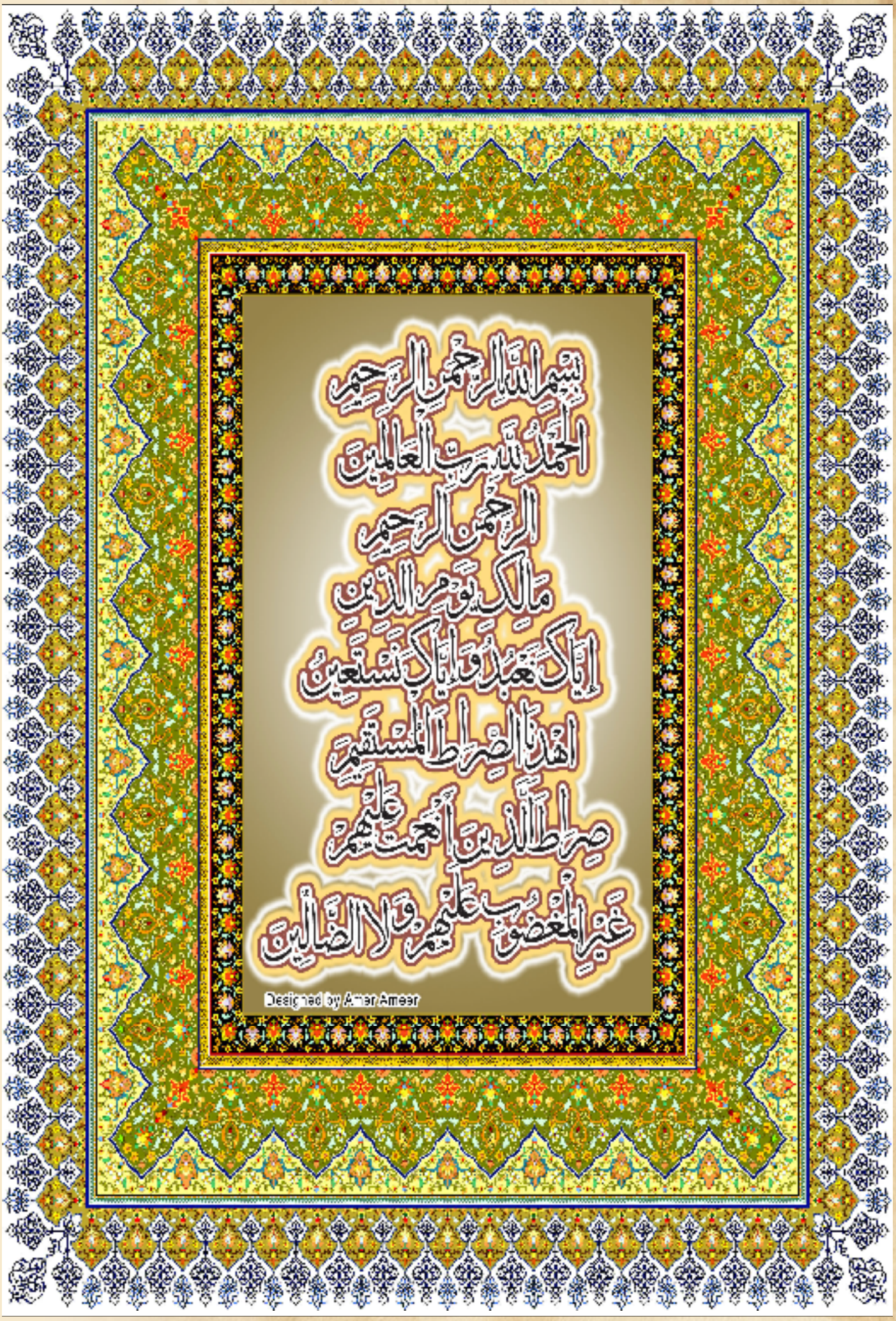
بسم اللہ الرحمن الرحیم
الحمد للہ رب العالمین
الرحمن الرحیم
مالک یوم الدین
ایاک نعبد و ایاک نستعین
اھدنا الصراط المستقیم
صراط الذین انعمت علیھم
غیر المغضوب علیھم ولا الضالین
Designed by Amer Ameer

چشم بے باک میں اک اشک ندامت کا نہیں
کیا قیامت ہے کہ کچھ خوف قیامت کا نہیں

تیرے سب جرم و خطا معاف کیے جاتے ہیں
یہ فیصلہ مرے دل کا ہے عدالت کا نہیں

اپنے کاندھے سے لپٹ کر مجھے رو لینے دے
یہ میرے غم کا تقاضا ہے، محبت کا نہیں

نہ ہے انصاف، نہ مذہب، نہ ہے عزت، نہ حیا
کون کہتا ہے کہ موقع یہ بغاوت کا نہیں

جس نے طوفان سہا، اسکی جڑیں گہری تھیں
فائدہ پیڑ کو اسکے قد و قامت کا نہیں

یہ کہا عشق نے، کہ حسن نہ دھوکہ دے گا
ہے بھروسہ مجھے راوی پہ روایت پہ نہیں

عامر امیر

عبدالکریم قدسیؔ

سامان کو با دیدہء تر باندھ رہے ہیں
بھیگے ہوئے رومال میں گھر باندھ رہے ہیں
خط ، یادیں ، تصاویر ، کتابیں و بیاضیں
دل کھول کے سامان سفر باندھ رہے ہیں
آنسو میرے رُخسار کی سیڑھی سے اُتر کر
دامن میں دعاؤں کا اثر باندھ رہے ہیں
تنقیص کے کچھ ریشمی دھاگوں کو ملا کر
قرطاس کی جھولی میں ہنر باندھ رہے ہیں
پرواز کے جذبے بھی کبھی قید ہوئے ہیں
صیاد صفت کیوں مرے پر باندھ رہے ہیں
سوکھا نہ ابھی پچھلی مسافت کا پسینہ
پھر اگلی مسافت کو کمر باندھ رہے ہیں
کب ختم ہو قدسیؔ یہ سفر دربدری کا
یہ سوچ کے پاؤں میں بھنور باندھ رہے ہیں

زبانِ اُردو کی ابتدا

محترم بشیر احمد رفیق صاحب

’’اُردوٗ‘‘ ترکی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی لشکر گاہ کے ہیں۔چنگیز خان کی اولاد کے حکمران جب کسی ملک پر چڑھائی کرتے تھے۔تو ہمیشہ زرّیں خیموں میں رہتے تھے اس لئے اُن کی لشکرگاہوں کو’’اُردوئے معلا‘‘ کہتے تھے۔اور وہ بادشاہ’’خوانین اُردوئے معلاٗ‘‘ کے نام سے مشہور ہوئے۔زبانِ اردو کو’’ریختہ‘‘ بھی کہتے تھے۔جس کے معنی ہیں گری پڑی چیز۔مگر فارسی میں ریختہ اس کلام کو کہتے ہیں جو دو چار زبانوں کے اختلاط سے بنی ہو اور چونکہ اُردو بھی مخلوط زبان ہے۔اس لئے یہ زبان کچھ دیر ریختہ بھی کہلائی۔بقول سید شمس اللہ اُردو زبان کا منبع’’برج بھاشا‘‘ ہے۔برج بھاشا آریوں کی قدیم زبان ہے۔یہ زبان چونکہ برج (بہار) میں بولی جاتی تھی۔اس لئے اس کا نام برج بھاشا پڑ گیا۔نصیر حسین خیالؔ بھی اسی خیال کے حامی ہیں کہ اردو کا منبع برج بھاشا ہے۔وہ اپنی کتاب’’داستانِ اُردوٗ‘‘ کے صفحہ ۳۰ پر لکھتے ہیں۔ہماری بھاشا کی یہی وہ تدریجی ترقی و وسعت تھی۔جس نے پردیسیوں کو بھی پرچار کر اپنا کرلیا۔اور اُن کی بے تکلف زبانوں سے آخر ایک نیا خطاب’’اُردوٗ‘‘ پا کر اسے تسلیم کرلیا۔‘‘ اُردو کی ابتداء کے متعلق مؤرخین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔سر سید احمد کے خیال میں اُردو کی ابتداء ۱۰۵۸ء میں ہوئی۔میر امنؔ دہلوی ۹۶۳ء میں بتاتے ہیں۔مشہور مستشرق مسٹر بیمس بھی اس کی ابتدا ۹۶۳ء بتاتا ہے۔ڈاکٹر جان گل گرسٹ کے بیان کے مطابق اُردو کی ابتداء ۱۷۷ء میں ہوئی۔لیکن درحقیقت اس کی ابتداء چھٹی یا ساتویں صدی ہجری ہی میں ہوئی۔حضرت امیر خسرو ۶۵۳ء میں پٹیالی ضلع ایٹہ میں پیدا ہوئے۔انہوں نے نظم ونثر میں نام پیدا کیا۔انہی کو’’طوطی ہند‘‘ کا خطاب بھی ملا۔آپ کی شاعری کو اُردو شاعری کا نقطہ آغاز قرار دیا جاتا ہے۔آپ کی دو غزلیں جو بڑی مشکل تحقیق سے دستیاب ہوئی ہیں وہ درج ذیل ہیں:۔

(۱) خوار شدم زار شدم لُٹ گیا۔۔۔۔۔۔۔درِغمِ ہجر تو کمر ٹُوٹہ ہے
یار نہیں دیکھتا سوئے من ۔۔۔۔۔۔۔بے گنہ ہم ساتھ عجب رُوٹہ ہے
رُوئے تو رونق شکن آفتاب۔۔۔۔۔۔سرو بہ پیش قدِ تو بُوٹہ ہے
گاہِ خسروؔ تو نہ گفتہ کہ بیٹھ۔۔۔۔۔۔۔۔وہ چہ کند بھاگ مرا پُھوٹہ ہے

(۲) زرگر پسرے چو ماہ پارا۔۔۔۔۔۔۔کچھ گھڑ کے کچھ سنوار لے پکارا
نقد دلِ من گرفت وبشکند ۔۔۔۔۔۔۔پھر کچھ نہ گھڑا نہ کچھ سنوارا

اس سے اس امر کی کافی وضاحت ہو جاتی ہے کہ چھٹی صدی ہجری میں اُردو زبان میں شاعری کی ابتدا امیر خسروؔ نے کی۔امیر خسروؔ سے کروبیؔ تک کا زمانہ (تین صدیاں ایک طویل عرصہ تھا۔لیکن اس عرصہ میں اُردو شاعری نے کوئی نمایاں ترقی نہیں کی۔البتہ اس زمانہ میں اُردو شاعری نے فارسی تراکیب، تلمیحات، تشبیہات و استعارات اور ضائع بدائع کو بے تکلفی سے اپنا لیا۔اُردو شاعری کے مختلف زمانوں کی تقسیم کے لحاظ سے ہم اس کو تین ادوار میں تقسیم کر سکتے ہیں۔نمبر۱۔دکنی دور۔نمبر۲۔اُردو شاعری کا دلی کا زمانہ۔نمبر۳۔اُردو شاعری کا جدید رنگ۔

دکنی دور۔شعرائے دکن کا تذکرہ کرنے سے قبل معلوم ہوتا ہے کہ یہ معلوم ہو کہ دکنی زبان کیا ہے؟۔دکنی زبان ہندوستانی کی ایک شاخ ہے۔اس زبان میں فارسی الفاظ بہت کم پائے جاتے ہیں۔اس زبان کی ابتداء مسلم حکمرانوں سے ہوتی ہے۔محمد تغلق کے تبدیلی دارالخلافہ سے ہزاروں لوگ دکن چلے آئے تھے۔وہ اپنی زبان بھی ساتھ لیتے گئے۔اب ان کی زبان اور قریبی دیگر زبانوں یعنی مرہٹی، ٹامل، اور تلنگی، کے اختلاط سے دکنی زبان کی صورت میں ظاہر ہوئی۔دکن میں علم وادب کی ابتداء آٹھویں صدی ہجری سے ہوتی ہے۔اس زمانے میں دکن میں کئی شعراء ہوئے۔جن کے حالاتِ زندگی آجکل دستیاب نہیں۔مثلاً غواصی، ابن نشاطی، ملا قبطی، نوری، طبعی، جنیدی، فائز، مرزا، وغیرہ۔سلطان محمد قطب شاہ۔(۱۵۸۰ء لغایت ۱۶۱۱ء) اب دکن کے اُن شعرا کا ذکر کیا جاتا ہے جن کے دیوان موجود ہیں۔اور جنکے حالات زندگی ملتے ہیں۔ان میں سب سے پہلے سلطان محمد قلی قطب شاہ آتے ہیں۔انہوں نے تمام اصنافِ سخن مثنوی، قصیدہ، مرثیہ، رباعیات، میں اشعار کہے۔سلطان محمد قطب شاہ پہلے شاعر ہیں جن کا کلامِ اُردو بصورت’’دیوانِ قطب شاہ‘‘موجود ہے۔ان کے کلام میں ہندی کا بہت اثر پایا جاتا ہے۔ان کے علاوہ اور کئی شعرا اس زمانے میں ہوئے۔مثلاً دولتؔ،

شاہ امین، عاجز، سحری، امین وغیرہ۔ اب ولی کا زمانہ آتا ہے۔ ولی دکنی (۱۶۶۸ء تا ۱۷۴۳ء) امیر خسرو سے لے کر ولی دکنی تک کا زمانہ اُردو شاعری کا نہایت غیر معروف زمانہ ہے۔ اس عرصہ میں اُردو شاعری نے کوئی خاص ترقی نہیں کی۔ ولی دکنی کو اس لحاظ سے اُردو شاعری کا آغاز تصور کرنا چاہیئے۔ ان کا نام شمس الدین اور ولی تخلص تھا۔ ولی دکنی ۱۶۶۸ء میں اورنگ آباد میں پیدا ہوئے بیس برس تک وہیں تعلیم پائی۔ اس کے بعد احمد آباد چلے گئے اور یہیں ۱۷۵۵ء میں وفات پائی۔ انہوں نے تمام اصناف سخن، غزل، مثنوی، قصیدہ، مرثیہ، رباعیات، میں اشعار کہے۔ ولی کے بعد کئی شعراء ہیں مثلاً مہر، صارم، سراج، رضا، عراقی، عزلت وغیرہ۔ ولی کے بعد دکن کا دور ختم ہوتا ہے اُردو شاعری دلّی کی جانب راجع ہوتی ہے۔ دلی کا دور۔ دلی میں اُردو کی باقاعدہ ادبی حیثیت بارھویں صدی ہجری بتائی جاتی ہے اگرچہ اس سے قبل بھی یہاں اردو بولی اور سمجھی جاتی تھی۔ عالمگیر کے زمانے میں اُردو شاعری نے صحیح معنوں میں یہاں جنم لیا۔ سب سے پہلے فارسی کے شعراء مرتضیٰ قلی خان فراق، میر شمس الدین فقیر، میرزا عبدالقادر بیدل، نے اس طرف توجہ کی۔ اور اردو میں اشعار کہنے شروع کئے۔ لیکن یہ بلند پایہ نہ ہوتے تھے۔ ان میں ابتذال اور سوقیانہ پن پایا جاتا تھا۔ اُردو شاعری جب دلّی دور میں قدم رکھتی ہے تو اس کے سالارِ قافلہ میر تقی میر ہیں۔ اس کے بعد کے زمانے کے متعلق آئندہ کسی وقت پر اُٹھا رکھتے ہیں۔

ساغر صدیقی

حادثے کیا کیا تمہاری بے رُخی سے ہو گئے
ساری دنیا کے لئے ہم اجنبی سے ہو گئے
گردشِ دوراں، زمانے کی نظر، آنکھوں کی نیند
کتنے دشمن ایک رسمِ دوستی سے ہو گئے
کچھ تمہارے گیسوؤں کی برہمی نے کر دیئے
کچھ اندھیرے میرے گھر میں روشنی سے ہو گئے
یوں تو ہم آگاہ تھے صیاد کی تدبیر سے
ہم اسیرِ دامِ گل اپنی خوشی سے ہو گئے
بندہ پرور! کھل گیا آستانوں کا بھرم
آشنا کچھ لوگ رازِ بے خودی سے ہو گئے
ہر قدم ساغر ! نظر آنے لگی ہیں منزلیں
مرحلے کچھ طے مری آوارگی سے ہو گئے

ناصر کاظمی

آرائش خیال بھ ہو دل کشا بھی ہو
وہ درد اب کہاں جسے جی چاہتا بھی ہو
یہ کیا کہ روز ایک سا غم ایک سی امید
اس رنج بے خمار کی اب انتہا بھی ہو
یہ کیا کہ ایک طور سے گزرے تمام عمر
جی چاہتا ہے اب کوئی تیرے سوا بھی ہو
جز دل کوئی مکاں نہیں دہر میں جہاں!
رہزن کا خوف بھی نہ ہو در کھلا بھی رہے
ہر ذرہ ایک محمل عبرت ہے دشت کا
لیکن کسے دکھاؤں کوئی دیکھتا بھی ہو
بزمِ سخن بھی ہو تو جنگل ہرا بھی ہو

ادا جعفری

ہونٹوں پہ کبھی ان کے مرا نام ہی آئے
آئے تو سہی، بر سرِ الزام ہی آئے
حیران ہیں، لب بستہ ہیں، دلگیر ہیں غنچے
خوشبو کی زبانی ترا پیغام ہی آئے
لمحات مسرت ہیں تصور سے گریزاں
یاد آئے ہیں جب بھی غم و آلام ہی آئے
تاروں سے سجا لیں گے رہِ شہر تمنا
مقدور نہیں صبح چلو شام ہی آئے
کیا راہ بدلنے کا گلہ ہم سفروں سے
جس راہ سے چلے تیرے درو بام ہی آئے
تھک ہار کے بیٹھے ہیں سرِ کوئے تمنا
کام آئے تو پھر جذبہ ناکام ہی آئے

غیرت ناموس

اے آر راجپوت

قیامِ پاکستان کے بعد کے پہلے پندرہ سال چھوڑ کر پچھلے بارہ تیرہ سالوں میں ہماری طرح یقیناً آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ معاشرہ میں نہ صرف قتل ایسے خوفناک جرائم کی وارداتیں زیادہ ہوگئی ہیں بلکہان وارداتوں میں ۹۰ فیصدی بناء ''غیرت ناموس'' ہوتی یا بیان کی جاتی ہے۔.....فلاں شخص نے اپنی بہن کو زہر دیا گولی یا چھرا، گھونپ کر مار دیا۔ اسے شک تھا کہ اس کے فلاں پڑوسی کے ساتھ ناجائز تعلقات تھے۔.....فلاں شخص نے اپنی پھوپھی زاد بہن کو موقع پا کر ذبح کر دیا، وہ بار بار ٹوکنے اور روکنے کے باوجود اپنے فلاں آشنا سے قطع تعلق پر آمادہ نہ ہوئی تھی۔.....فلاں باپ نے اپنے بیٹوں کے ساتھ مل کر اپنی بیٹی کا ٹوکے، کے ساتھ سر قلم کر دیا وہ محلّہ کے فلاں نوجوان کے ساتھ آوارہ تھی..... یا.....فلاں خاوند نے اپنی بیوی کو سوتے میں قتل کر دیا وہ فلاں

ہمسائے کے ساتھ خراب تھی یا اسے شک تھا کہ اُس کے ہمسائے کے ساتھ ناجائز تعلقات ہیں وغیرہ وغیرہ۔ بلکہ اب تو ان خبروں کو پڑھ کر یوں محسوس ہوتا ہے جیسے زیادہ قتل ہوتے ہی غیرت ناموس کی بناء پر ہوتے ہیں۔ یا کئے ہی بظاہر غیرت ناموس کے لئے کئے جاتے ہیں۔.....بے شک ماہرین اخلاقیات وغیرہ نے عزت و آبرو کے تحفظ کے لئے اشتعال کو جائز اور قابلِ معافی قرار دیا ہے۔لیکم یہ خبریں قارئین کو دو ہی نتیجوں پر پہنچا سکتی ہیں۔۔اوّل۔..... پاکستان میں جنسی بے راہ روی اور اُوباش پن بہت زیادہ ہوگیا ہے اور معاشرے کے مختلف طبقات میں عزت و آبرو کا وہ احساس نہیں رہا جو آج سے پہلے تھا.....اور..دوم۔یہ کہ پاکستانیوں میں احساس غیرت ناموس بہت بڑھ گیا ہے۔مجھے معاف کیا جائے اس صاف گوئی کے لئے ان دونوں نتائج پر گہرے غور و خوص کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ پہلی بات صحیح اور درُست ہے۔اور دوسری اصل وجہ نہیں بلکہ اس گھناؤنے جرم کی پاداش سے بچنے کے لئے ایک آسان اور سہل دفاعی حیلہ کا حکم رکھتی ہے۔جو ہمارے نزدیک بے غیرتی ہی کی ایک قسم ہے۔اس کا مطلب ہرگز نہیں کہ کوئی قتل ”واقعی اشتعال“ میں ہوتا ہی نہیں۔لیکن ایک بات جو سمجھ میں نہیں آتی وہ یہ ہے کہ جو باغیرت شخص ایک وقت یہ نہیں دیکھ سکتا کہ اُس کی بہن، بیٹی، بیوی یا بہو کسی غیر مرد کے ساتھ ہنس کر بات بھی کرے۔اُس کی غیرت یہ کیونکر گوارا کر لیتی ہے کہ.....وہ پولیس اور عدالت کے رُوبرو بڑی تفصیل کے ساتھ اُسی معاشقے کی سچی جھوٹی جزئیات بیان کرے.....گواہان استغاثہ اس کے سامنے اس کی اُسی بہن، بیٹی، بیوی یا بہو کا بار بار نام لے کر اس کے معاشقے کی تفصیلات دہرائیں، متذکرہ معاشقے کی دستاویزی شہادتوں، یعنی خطوط، اور تصاویر پر برسرِ عدالت جرح ہو.....وکلاء حضرات بڑی گہرائی میں جا کر اُسی معاشقے کی سچی جھوٹی جزئیات اُس کے سامنے کریدیں۔اور جس بات کو چھپانے، دبانے یا ختم کرنے کے لئے ملزم نے اپنی عزیزہ کو جان سے مار دینا گوارا کیا تھا۔وہی بات عدالتی ریکارڈ میں آکر ایک پبلک دستاویز بن جائے اور.....میڈیا اور اخبارات کے عدالتی، رپورٹر اسے ذہنوں میں سنسناہٹ پیدا کرنے والے عنوانات کے ساتھ روزانہ کھنگالیں اور ساری دنیا کو سنائیں۔آخر یہ کس قسم کی غیرت ہے جس کا پاسدار اپنی ہی کسی عزیزہ یا رشتہ دار کی جان لینے میں تو کوئی قباحت محسوس نہیں کرتا لیکن اُس کا احساس غیرت و ناموس خاندان خوفِ تعزیر سے فوراً ہی لب کھول دیتا ہے اور جس گناہ کے بارہ میں چند گھنٹے یا چند دن پہلے وہ یہ چاہتا تھا کہ اسے کوئی نہ دیکھے، کوئی نہ سنے، واردات کے چند گھنٹے اور چند ہی دن بعد وہ خود بڑی تفصیل سے وہی قصہ راوی دنیا سنانے لگ جاتا ہے۔مگر شومئی غیرت معاشرہ کے ثناء خواہان و پاسدارانِ تقدیسِ مشرق نہ معاشرہ میں بڑھتے ہوئے اُوباش پن اور جنسی بے راہروی ہی کی کچھ فکر ہے اور نہ اُن کا دھیان کبھی اس نئی قسم کی بے غیرتی ہی کی طرف گیا ہے جو ”اشتعال“ کے نام سے ہر ایسے جُرم کے دفاع میں پیش کر دی جاتی ہے۔الامان والحذر۔جس کنبے میں ایسا خونیں حادثہ ہو جاتا ہے اُس کی ناموس و غیرت کے تانے بانے تین، تین، چار چار سال تک عدالتوں میں اُدھڑتے رہتے ہیں۔حتیٰ کہ اس کی بیٹیوں کے لئے رشتے ملنے اور بیٹوں تک کے رشتے ہونے ناممکن ہو جاتے ہیں۔لیکن یہ سب کچھ دیکھنے کے باوجود کوئی بھی اس آسان اور ایور ریڈی قسم کی ”مکروہ صفائی“ سے گریز و اجتناب پر تیار نہیں۔ہمیں بعض دانشوروں کی اس توجیہہ سے سو فی صد اتفاق ہے کہ نئی قسم کا اشتعال یا احساسِ غیرت ہماری سستی تفریح کے لئے بننے والی فلموں کی ایجاد ہے۔ڈھائی گھنٹے کی ایک فلم میں ایک لڑکی کسی کنبے میں پیدا ہو کر، جوان ہو کر معاشقہ لڑاتی ہے پھر اس کا بھائی، باپ یا کوئی اور رشتہ دار اسے اشتعال کی بنا پر قتل کر دیتا ہے اور چند منٹوں میں اس کے جرم کی تعزیر بھی سنا دی جاتی ہے ہمیں اس سے اتفاق ہے کہ ایک انسان کی زندگی ایک فلم ہی کی مانند ہوتی ہے۔لیکن اے اَبنائے وطن! آپ نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ نہ انسانی زندگی اڑھائی گھنٹے کی ہوتی ہے اور نہ ہماری سستی پوچ اور جنسیاتی تفریح کے لئے بننے والی فلمیں کیا حقیقی انسانی زندگی کا چربہ ہوتی ہیں؟۔تقدیس و مستقبل ملّت کی اس سے بڑی شومئی قسمت اور کیا ہوگی کہ اگرچہ ہم قومی زندگی کے شعبہ ہائے تفریح کے نگہداروں کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ ان وقتی تفریحات کو حقیقی انسانی زندگی کے قریب تر لائیں۔ہم نے اپنی زندگیوں کو اپنی قومی ناموس اور اپنے احساس غیر ناموس ہی کو وقتی، عارضی طور پر ڈرامائی اور فلمی بناڈالا۔اناللہ وانا الیہ راجعون ط

جون ایلیا

ہم نے شکست کھا کے بھی ذکرِ وفا نہیں کیا
خود کو ہلاک کر لیا خود کو فدا نہیں کیا
کیسے کہیں کہ اس کو بھی ہم سے کوئی لگاؤ ہے
اس نے تو ہم سے آج تک کوئی گلہ نہیں کیا
مجھ کو یہ ہوش ہی نہ تھا تُو مرے بازوؤں میں ہے
یعنی تجھے ابھی تلک میں نے رہا نہیں کیا
جانے تری نہیں کے ساتھ کتنے ہی جبر تھے کہ تھے
میں نے ترے لحاظ میں تیرا کہا ، نہیں کیا
جو بھی ہو تم پہ معترض اس کو یہی جواب دو
آپ بہت شریف ہیں آپ نے کیا نہیں کیا
خیرہ سرانِ عشق کا کوئی نہیں ہے جنبہ دار
شہر میں اس گروہ نے کس کو خفا نہیں کیا

پروین شاکر

کیا کرے میری مسیحائی بھی کرنے والا
زخم ہی یہ مجھے لگتا نہیں بھرنے والا

زندگی سے کسی سمجھوتے کے باوصف اب تک
یاد آتا ہے کوئی مارنے مرنے والا
اُس کو بھی ہم ترے کوچے میں گزار آئے ہیں
زندگی میں وہ جو لمحہ تھا سنورنے والا
اس کا اندازِ سُخن سب سے جدا تھا شاید
بات لگتی ہوئی ، لہجہ وہ مکرنے والا
شام ہونے کو ہے اور آنکھ میں اِک خواب نہیں
کوئی اس گھر میں نہیں روشنی کرنے والا
اسی امید پہ ہر شام بجھائے ہیں چراغ
ایک تارا ہے سرِ بام اُبھرنے والا

محسن نقوی

اب کے یوں بھی تری زلفوں کی شکن ٹوٹی ہے
رنگ پھوٹے، کہیں خوشبو کی رسن ٹوٹی ہے
موت آئی کہ تسکین کی ساعت آئی
سانس ٹوٹی ہے کہ صدیوں کی تھکن ٹوٹی ہے
سینۂ گل جہاں نکہت بھی گراں ٹھہری تھی
تیر بن کر وہاں سورج کی کرن ٹوٹی ہے
دل شکستہ تو کئی بار ہوئے تھے لیکن
اب کہ یوں ہے کہ ہر اک شاخ بدن ٹوٹی ہے
اتنی بے ربط محبت بھی کہاں تھی اپنی
درمیاں سے کہیں زنجیرِ سخن ٹوٹی ہے
ریزہ ریزہ میں بکھرتا گیا ہر سو محسنؔ
شیشہ شیشہ مری سنگینیِ فن ٹوٹی ہے

شاہدہ حسن

اگرچہ زعم مجھے بھی بہت سفر کا ہے
کمال سارا مگر اس کی رہ گزر کا ہے
کبھی کبھی کی کسک نے دلادیا ہے یقیں
دلوں کے بیچ کوئی رنج عمر بھر کا ہے
جو بے سبب کسی آنگن میں اُٹھا لائی
اُجالا یہ بھی ترے گھر کے بام و در کا ہے
اُڑائے پھرتی ہے دل کو ہوائے بے خبری
سو اِن رُتوں میں کسے حوصلہ خبر کا ہے
تمام عمر چلی، پھر بھی کم ہوا نہ کبھی
وہ فاصلہ جو ترے گھر سے میرے گھر کا ہے
مری زمیں تری خاک نمو نہیں مشکوک
یہ سب عذاب یہاں دستِ بے ہنر کا ہے

امیر المومنین کا لقب اور اس کا تاریخی و دینی پس منظر

عاصی صحرائی

امیر المومنین کے لفظی معنی ہیں مومنوں کا امیر یا حاکم۔ بعض مغربی مصنفین نے اس کا ترجمہ ''پرنس آف بیلیورز'' prince of believers بھی کیا ہے۔ جو نہ لغت کے اعتبار سے درست ہے نہ تاریخ ہی کی رُو سے۔ مقدمہ ابن خلدون اور شبلی نعمانی کی ''الفاروق'' کے مطابق یہ لقب سب سے پہلے اسلام کے خلیفہ دوم حضرت ''عمر بن الخطاب'' نے اختیار فرمایا۔ آپ سے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ 'خلیفۃ الرسول' کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ عمر بن الخطاب' خلیفہ بنے تو مسلمان انہیں ''خلیفۃ الرسول'' کہنے لگے اس پر مسلمانوں میں تبصرے ہونے لگے کہ چوتھی پانچویں خلافت کے وقت اس اصطلاح کی کیا شکل بن جائے گی اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ مجھے ''امیر المومنین کہہ لیا کرو''۔ گویا یہ اصطلاح اسلام کے جلیل القدر خلیفہ دوم ہی کے عہد میں تخلیق ہوئی اور آپ ہی کے عہد خلافت سے اس کا استعمال شروع ہوا۔ آپ کے بعد اسلام کے تیسرے اور چوتھے خلیفہ راشد کو بھی امیر المومنین ہی کہا اور لکھا جاتا رہا۔ امیر (رکبان) سے مراد وہ شخص ہے جسے امر، حکم، قیادت، تفویض کی جائے اس میں فوجی قیادت بھی شامل ہے اور اس عام مفہوم کے مطابق اسے کلمہ ''المومنین'' کی طرف مضاف کر کے اس سے وہ امیر مراد لئے جاتے ہیں جنہیں آنحضرت ﷺ کے زمانے میں اور آپ کے بعد مختلف اسلامی مہموں کی قیادت سپرد کی گئی۔ جیسے حضرت سعدؓ بن وقاص (رکبان) کو ''امیر'' کہا گیا۔

آئمہ دین کی رائے۔ حضرت امیر معاویہؓ کے عہد امارت میں بھی (جب خلافت مقبول بحکمرانی ہو رہی تھی) انہیں ''امیر المومنین ہی لکھا اور پکارا جاتا رہا۔ بغداد کے خلفاء کے انداز اور اطوار تو یکسر سیاسی حکمرانوں کے سے تھے۔ پھر ان میں بعض ایسے حکمران بھی ہوئے جن کے افعال و کردار مومنانہ بھی نہ تھے لیکن ان کے تمدن اور معاشرت پر ''عربیت'' غالب رہی۔ اور وہ ''امیر المومنین'' کہلانے پر فخر اور لذت محسوس کرتے رہے حتیٰ کہ شاہی درباروں اور محلوں پر ''عجمیت'' پوری طرح چھا گئی تو مسلم حکمرانوں کے لئے ظل اللہ اور ظل سبحانی ایسی متعدد اور جدید اصطلاحیں تراش لی گئیں لیکن چونکہ یہ اصطلاح مسلم حکمرانوں کے لئے مختص نہ تھیں اس لئے آئمہ دین اور اکابر علماء کے لئے بھی اس کا استعمال حسب سابق جاری رہا۔ اُردو دائرہ معارف اسلامیہ (دانش گاہ پنجاب) کے مطابق نمبر ا۔ شیعوں کا فرقہ امامیہ ''امیر المومنین'' کا لقب صرف حضرت

علیؓ بن ابوطالب کے لئے مخصوص سمجھتا ہے۔نمبر۲۔اسمٰعیلیوں کا ہر فرقہ اسے اپنے اپنے مسلمہ خلفاء کے لئے استعمال کرتا ہے۔نمبر۳۔زیدی شیعوں کے نزدیک ہر وہ علوی جو بزورِ شمشیر اپنے اقتدار کو منوالے خود کو''امیرالمومنین'' کہلا سکتا ہے مثلاً یمن کے زیدی امام۔البتہ خوارج کے ہاں لفظ''امیرالمومنین'' کا استعمال قاہرت کے رستمیوں کے سوا بہت شاذ ہے۔لیکن اس کا استعمال آئمہ اور علماء کے لئے ہمیشہ ہوتا رہا۔مثلاً۔مشہور محدث ''شعبہ بن الحجاج'' کو''امیرالمومنین بالروآتیہ'' کہا گیا۔ابونعیم ''حلیت الاولیا'' (۷:۱۴۴) اسی طرح مشہور نحوی ابوحیان غرناطی کو''امیرالمومنین'' فی النحو کہا گیا'' (المقری نفح الطیب ص ۸۲۶) دائرہ معارف اسلامیہ نے صرف انہی دو مثالوں پر اکتفا کیا ہے۔لیکن اگر بنظرِ غائر مطالعہ کیا جائے تو متعدد تاریخی شواہد اس امر کے ملتے ہیں کہ یہ اصطلاح صرف ''مسلم فرمانرواؤں'' ہی کے لئے مخصوص نہیں تھی بلکہ صدیوں سے آئمہ دین اور اکابر علماء کے لئے بھی مروج ہے....

چند اور مثالیں۔(۱) حضرت امام مالکؒ بن انس بن امام دارالہجرت (۹۳۔۱۷۹) جن کو تبع تابعین کے زمرے میں شامل ہونے کی سعادت خاصؒ ہوئی۔امیرالمومنین الحدیث کے نام سے یاد کئے گئے۔(تاریخ الحدیث ص (پروفیسر عبدالصمد صارم الزہری ناشر مکتبہ امین الادب اُردو بازار لاہور)۔۲۔حضرت سفیان بن سعید ثوریؒ (۹۷ھ۔۱۶۱ھا) جن کو تبع تابعین کے زمرے میں شامل ہونے کی سعادت ملی۔حضرت امام حافظ شیخ الاسلام علی بن حجر عسقلانیؒ (متوفی ۸۵۲ھ) نے آپ کو'' تہذیب التہذیب' جلد۴ص ۱۱۳ پر''امیرالمومنین فی الحدیث'' تسلیم کیا ہے علاوہ ازیں صوفی الاسلام حضرت خواجہ فرید الدین عطارؒ کی مشہور کتاب'' تذکرۃ الاولیاء'' کے سولہویں باب میں بھی اس کا ذکر ملتا ہے۔۳۔حضرت ابوعبداللہ محمد حسین اسماعیل بخاریؒ (۱۹۴ھ تا ۲۵۶ھ) بھی''امیرالمومنین فی الحدیث' کے لقب سے ملقب ہیں (تاریخ الحدیث ص ۲۱۷ از پروفیسر عبدالصمد صارم)۔۴۔امام الکبیر حضرت علی بن عمر دار قطنیؒ (۳۰۶ھ ۳۵۸ھ) کو بھی اس نام سے یاد کیا جاتا ہے۔چنانچہ مدینہ منورہ سے ۱۳۸۶ھ بمطابق ۱۹۲۹ء میں السید عبداللہ ہاشم یمانی المدنی نے''سنن دارقطنی'' کا جو تصحیح شدہ ایڈیشن شائع کیا ہے اس کے دیباچہ میں ص ۹ پر صاف لکھتا ہے'' الدارقطنی ' امیرالمومنین فی الحدیث'' یہ دیباچہ ابوالطیب محمد شمس الحسن الصدیقی عظیم آبادی نے تحریر کیا ہے علاوہ ازیں حضرت سید احمد بریلوی اور ان کے خلیفہ سید محمد اسمٰعیل صاحب شہید دہلوی کی نسبت'' سوانح احمدی'' مصنفہ مولانا محمد جعفر تھا عیسروی کے صفحہ ۹۸،۱۱۵،۱۱۶،۱۲۰،۱۳۶،پر''امیرالمومنین'' لکھا گیا ہے اور ص ۱۲۰ پر اس لقب کے استعمال کی وجہ بیان کی گئی ہے کہ لاکھوں لوگوں نے اُن کی بیعت کر کے انکو اپنا سردار بنا لیا۔ پس اس روز سے آپ بلفظ امام یا امیرالمومنین یا خلیفہ کے مشہور ہیں۔حالانکہ مسلم ہے کہ متذکرہ بالا دونوں بزرگ صاحبِ حکومت وسیاست نہ تھے۔ثابت ہوا کہ یہ اصطلاح''مسلم فرمانرواؤں'' کے لئے مخصوص نہیں بلکہ اسلامی لٹریچر کے مطابق'' آئمہ دین'' اور جید علماء ربانی کے لئے بھی صدیوں تک یہ اصطلاح استعمال ہوتی رہی ہے۔

عدیم ہاشمی

حیراں ہوں سارے شہر کا کردار دیکھ کر
سب جھک گئے ہیں شاہ کا دربار دیکھ کر
اپنا وطن حنوط لگا لاش کی طرح
آیا جب سے مصر کے بازار دیکھ کر
ملتا نہیں کسی کے قدم سے مرا قدم
چلتا نہیں ہوں وقت کی رفتا دیکھ کر
پتھر مچل رہے ہیں زمین پر پڑے ہوئے
بیرونِ صحن شاخِ ثمر بار دیکھ کر
رنگ اُڑ گیا ہے رات کے چہرے کا کیوں عدیمؔ
سہما ہوا ہوں صبح کے آثار دیکھ کر
یہ چھاؤں تو بدن کو جلانے لگی عدیمؔ
بیٹھا تھا میں تو سایہء دیوار دیکھ کر

ثمینہ راجہ

تنہا سرِ انجمن کھڑی تھی
میں اپنے وصال سے بڑی تھی
ہاں پھول تھی اور ہوا کی زد پر
پھر میری ہر ایک پنکھڑی تھی
اِک عمر تلک سفر کیا تھا
منزل پہ پہنچ کے گر پڑی تھی
وہ ایک ہوائے تازہ میں تھا
میں خواب قدیم میں گڑی تھی
وہ خود کو خدا سمجھ رہا تھا
میں اپنے حضور میں کھڑی تھی

فاطمہ حسن

سکونِ دل کے لئے عشق تو اِک بہانہ تھا
وگرنہ تھک کے کہیں تو ٹھہر ہی جانا تھا
جو اضطراب کا موسم گزار آئے ہیں
وہ جانتے ہیں کہ وحشت کا کیا زمانہ تھا
بہت دنوں سے مجھے انتظار شب بھی نہیں

وہ رُت گزر گئی ہر خواب جب سہانا تھا
وہ جن کو شکوہ تھا اوروں سے ظلم سہنے کا
خود ان کا اپنا بھی انداز جارحانہ تھا
کب اس کی فتح کی خواہش کو جیت سکتی تھی
میں وہ فریق ہوں جس کو کہ ہار جانا تھا

سعداللہ شاہ

ملیں ہم کبھی تو ایسے کہ حجاب بھول جائے
میں سوال بھول جاؤں تو جواب بھول جائے
تو کسی خیال میں ہو اور اسی خیال ہی میں
کبھی میرے راستے میں تو گلاب بھول جائے
کبھی تو جو پڑھنے بیٹھے مجھے حرف حرف دیکھے
تری آنکھیں بھیگ جائیں تو کتاب بھول جائے
تو جو دیکھے میری جانب تو بچوں میں اک گنہ سے
تجھے دیکھ لوں میں اتنا کہ شراب بھول جائے
مجھے غم تو دے رہا ہے مگر اس پہ چاہتا ہے
میں حساب رکھ نہ پاؤں تو حساب بھول جائے
مجھے سعدؔ جاتے جاتے بس اتنا کہہ گیا ہے
جسے دے دکھائی اچھا وہ خراب بھول جائے

صائمہ علی

گِلہ کیا ہی نہیں کِشتِ، جاں اُجڑنے کا
کہ جیسے مجھے یقیں تھا ترے بچھڑنے کا
سیاہِ شب بھی توانا، سحر بھی دور بہت
دیئے میں زور کہاں اب ہوا سے لڑنے کا
کہ اب تو جا کے کہیں چاکِ وعدہ سِلنا تھا
یہ کیسا وقت چُنا بخت نے اُجڑنے کا
سفر میں اُس کو بھی سو وسوسے ڈراتے تھے
مجھے بھی خوف تھا جنگل میں شام پڑنے کا
ہوئی ہے بادِ خزاں کس لئے چمن آرا!
ابھی تو وقت نہ آیا تھا پھول جھڑنے کا

شاعر کا مقام..... عاصی صحرائی

اگر تاریخ عالم کا بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ کائنات روزِ اول سے ہی حق و باطل کی دلچسپ اور نہ ختم ہونے والی معرکہ آرائی کی مظہر ہے۔ ہر دور میں ہمیں حق و باطل اور بقول زرتشت ظلمت و نور کی رزم آرائی سے واسطہ پڑا ہے معلوم ہوتا ہے کہ جب تک انسان یہاں موجود ہے اسے کسی نہ کسی شکل میں خیر و شر کی اس باہمی آویزش میں شریک ہونا پڑے گا۔ غالب و مغلوب، حاکم و محکوم، اور ظالم و مظلوم کی اس باہمی چپقلش سے عہد حاضر بھی خالی نہیں۔ اگرچہ ظلم و تشدد اور استحصال کے طریقے مختلف رُوپ دھار چکے ہیں۔ تاہم انسانیت کی تذلیل اور انسان کُشی کا یہ سلسلہ اب بھی کسی نہ کسی رنگ میں جاری و ساری ہے۔ ظلم و بدی کا مقابلہ کرنے والے مختلف محاذوں پر اب بھی اپنے انقلابی اور مدافعت آمیز پروگرام پر عمل پیرا ہیں ایسے ہی بہادر، بے باک اور عہد آفریں لوگ ناسازگار حالات اور حوصلہ شکن موانعات کا ڈٹ کر مقابلہ کر کے جریدہ عالم پر اپنا نقش ثبت کیا کرتے ہیں۔ ہر دور میں ایسی سعید روحیں حق و صداقت کی راہ پر چل کر دوسرے انسانوں کو منزل نجات سے روشناس کرتی رہی ہیں۔ دیگر مصلحین کی مانند انسان دوست اور انقلابی شعراء، ادباء بھی معاشرتی زندگی کو نکھارنے کے لئے قابل قدر اضافہ کرتے رہے ہیں۔ شعر و ادب محض زندگی کا ترجمان ہی نہیں بلکہ وہ اس کا ناقد بھی ہے اس لحاظ سے شعراء اور ادباء اور انسانی ذمہ داریوں کو کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ شاعر ایسے جذبوں کو الفاظ کی سنہری جھالریں لگا کر ایک مرصع اور دلنشین پیرایہ تو عطا کر ہی دیتا ہے جو اس کے جذبات میں مخالف جنس کی جانب سے کسی ہلچل یا بیداری کا سبب بنتے ہیں۔ محبوب کے ہجر و وصال سے لبریز مضامین اردو شاعری کا صدفی صد حصہ بنے اور بنتے چلے آ رہے ہیں یہ ایک محدود اور مختصر کینوس ہے جو شاعری کے جراثیم نمودار ہوتے ہی شاعر کے ہاں سے نمو پذیر ہونے لگتا ہے۔ لیکن اس مخصوص سطح کی محض اپنی ذات سے منسوب شاعری سے ممتاز ہو کر افقی بلندی کے لئے ''میں'' کے حصار میں سے باہر نکل آنا ہنر مندی یا وجدان سے بڑھ کر ظرف کی عظمت کی دلیل ہے۔ انسانیت کے درد کو محسوس کرنے کے لئے اپنی ذاتی خوشی یا اندوہ کو الگ ہٹا کر رکھنا پڑتا ہے جذبات کا یہ ایک ایسا سمندر ہے جس کے ہر قطرے میں شاعر کو دجلہ دکھائی دیتا ہے یہ اکائی میں کُل اور کُل میں اکائی ہو جانے والی کیفیت ہے۔

شاعر کا کام

خیالات کو صداقت پر مبنی لفظ اسی صورت میں بنایا جا سکتا ہے۔ جبکہ وہ وارداتِ قلبی کی شکل اختیار کر جائیں۔ تاثیر محض اس جذبے کے اظہار میں پیدا ہو سکتی ہے جو دلی جذبات کا عکس لے کر آئینہ الفاظ پر ظاہر ہو۔ صرف الفاظ کو موزوں کر لینے سے شاعری جنم نہیں لے سکتی۔ اس کی مثال اس تصویر کی سی ہو گی۔ جو بے روح اور بے کشش ہو۔ شاعری تو ان تمام ارفع، پُر فضیلت، اچھوتے اور دل کو چھو لینے والے عام انداز و سطح سے بلند مقام کا نام ہے جو شاعر اپنی حساس اور دانا بصیرت سے ماحول و اطراف کی جنبشوں میں محسوس کرتا اور اپنی طبیعت کی مناسبت سے انہیں شعر کا پیراہن عطا کر دیتا

ہے۔محدود معانی کو لامحدود رنگ وروپ بخشنے اور ایک بالکل نئی معنوی دنیا آباد کرنے کو ہی عمدہ شاعری کہا جاتا ہے۔ایسے شاعر کے ہاں اسلوب کا دائرہ وسیع تر ہوتا چلا جاتا ہے۔وہ لفظ کو اس خام مال کی طرح استعمال کرسکتا ہے کہ جسے بھٹی میں تیار کر کے اپنی مرضی کے سانچے میں ڈھال لیا جائے۔الفاظ وتراکیب ومعانی اس کے ہاں ظروف سازی کی حیثیت اختیار کر جاتے ہیں۔یہ صناعی اس کی مخفی کیفیات کو پیش بہا جہتیں اور پہلو فراہم کرتی چلی جاتی ہے وہ کس لفظ کا استعمال کس نوع اور کس ساخت سے کرے یہ اس کے کرشمہ ساز تصوراتی عرفان کا اختیار ہے اس کی باکمال صلاحیت اس لفظ کو لغت کے دائرے سے نکال کر نیا آہنگ، نیا مرتبہ، نیا مقام عطا کر جاتی ہے ۔دشتِ وقت میں ایک عمر سے صحرانوردی کرنے والے مسافر کو موسموں کی تبدیلی کا بے حد انتظار بھی رہتا ہے اور اس امید پر روز وشب بھی بسر ہو جاتے ہیں لیکن وہ کانٹا جو اندیشوں اور واہموں کی چُبھن احساس میں پیہم بیدار رکھے ہوئے ہے اس کی تشویش اس لحاظ سے بھی سوا ہے کہ بیتے دنوں میں رُتوں کی تبدیل کسی طور بھی تغیر پذیری کا نیا رنگ پیش کرنے سے قاصر رہی ہے اس بنا پر اُمید پروری بھی خار بکف رہتی ہے۔

مبارک عابد

تم ہی فصلِ گُل ،خوشبوئے گل و گلزار ہو
تم ہی پریتم ہو ہمارے تم ہم ہمارا پیار ہو
سردیوں کی دھوپ ہو تم گرمیوں کی چاندنی
ہر کسی موسم میں تم ہی صبح پُر انوار ہو
اِک صدی کے نور کے رخشاں تسلسل کی مثال
اور کوئی تو نہیں وہ تم ہی تو سرکار ہو
یوں تو جہاں بھر میں محمدؐ کا علَم لہرائیں ہم
ہم تمہارا قافلہ تم قافلہ سالار ہو
ہم سمجھتے ہیں تمہاری اک جھلک آبِ حیات
کہ تمہیں دلبر،تمہیں جاناں،تمہیں دلدار ہو
آخری شب جب تری خاطر دعا کرتے ہیں ہم
آنکھ میں موتی ہوں رخساروں پہ اُن کا ہار ہو
اور ہم ہماری نسل تو اس پیڑ کے سائے میں ہو
آج پھر اس عہد کی تجدید ہو اقرار ہو
آج بر آئی مری امید بفضلِ خدا
کہ میری چاہت کا سامنے اظہار ہو
آج عابدؔ سچ ہوا یہ خواب کہ اپنا کلام
میں سناؤں جس جگہ وہ صاحب دستار ہو

ساحرلدھیانوی

ہوس نصیب نظر کو کہیں قرار نہیں
میں منتظر ہوں مگر تیرا انتظار نہیں
ہمیں سے رنگِ گلستاں،ہمیں سے رنگِ بہار
ہمیں تو رنگِ گلستاں پہ اختیار نہیں
ابھی نہ چھیڑ محبت کے گیت اے مطرب
ابھی حیات کا ماحول خوشگوار نہیں
تمہارے عہدِ وفا کو میں عہد کیا سمجھوں
مجھے خود اپنی محبت پہ اعتبار نہیں
یہ کس مقام پہ پہنچا دیا زمانے نے
کہ اب حیات پہ تیرا بھی اختیار نہیں

قتیل شفائی

تمہاری انجمن سے اُٹھ کے دیوانے کہاں جاتے
جو وابستہ ہوئے تم سے وہ افسانے کہاں جاتے
نکل کر دیر و کعبہ سے اگر ملتا نہ مے خانہ
تو ٹھکرائے ہوئے انساں کہاں جاتے
تمہاری بے رُخی نے لاج رکھ لی بادہ خانے کی
تو آنکھوں سے پلا دیتے تو پیمانے کہاں جاتے
چلو اچھا ہوا کام آگئی دیوانگی اپنی
وگرنہ ہم زمانے بھر کو سمجھانے کہاں جاتے
قتیلؔ اپنا مقدر غم سے بیگانہ اگر ہوتا
تو پھر اپنے پرائے ہم سے پہچانے کہاں جاتے

محمودالحسن

یقین جب ناشناس لذتِ اوہام ہو جائے
زمانہ کیوں نہ پھر پابستۂ اوہام ہو جائے
اگر اُس پر نگاہِ ساقی گلفام ہو جائے
تو زُہد زاہد دیں دار نذرِ جام ہو جائے
نہ کیوں پھر کارِ فرما تیغِ خوں آشام ہو جائے
تمہارا نام ہوجائے ہمارا کام ہو جائے
مجھے صبح ازل سے جُستجُو ہے کُو بکُو تیری

"نہ جانے کس گلی میں زندگی کی شام ہو جائے"

خموشی آپ کی اِک بار ہے ذوقِ سماعت پر
کوئی دشنام یا عائد کوئی الزام ہو جائے

پلٹ کر دیکھ لوں اک بار آغازِ محبت کو
فقط اتنا کرم اے گردشِ ایّام ہو جائے

نوازش ہائے غم ہوتی رہیں گر اس طرح دل پر
بہت ممکن ہے یہ وحشی بھی اِک دن رام ہو جائے

ہمیں مل جائے گا پھر بھی بہانہ سرفرازی کا
نگاہِ لطف بے شک ہو برائے نام ہو جائے

مری ہر اک غزل یوں ڈوب جائے کیف و مستی میں
کہ ہر مصرع حدیثِ حافظ و خیام ہو جائے

مرا دل لذتِ آزار سے مانوس ہو اتنا
کہ شاید اب خوشی صورت گرِ آلام ہو جائے

شہنشاہوں کی گردن اس کے آگے جھک تو سکتی ہے
اگر محمودؔ تیرا بندہ بے دام ہو جائے

فیض احمد فیض

شرحِ بے دردی حالات نہ ہونے پائی
اب کہ بھی دل کی مدارات نہ ہونے پائی

پھر وہی وعدہ جو اقرار نہ بننے پایا
پھر وہی بات جو اثبات نہ ہونے پائی

پھر وہ پروانے جنہیں اذنِ شہادت نہ ملا
پھر وہ شمعیں کہ جنہیں رات نہ ہونے پائی

پھر دمِ دید رہے چشم و نظر دیدِ طلب
پھر شبِ وصل ملاقات نہ ہونے پائی

پھر وہاں بابِ اثر جانیے کب بند ہوا
پھر یہاں ختم مناجات نہ ہونے پائی

فیضؔ سر پر جو ہر اک روز قیامت گزری
ایک بھی روزِ مکافات نہ ہونے پائی

تعارف

عاصی صحرائی

انگریزی زبان کے ایک قول کے مطابق انسان مجلسی حیوان ہے۔باقی دوسری ساری مخلوق مجلس اور سوسائٹی سے بے نیاز ہے۔لیکن انسان ہی ایک مجلسی زندگی گزارتا ہے ۔مجلسی زندگی سے مراد باہمی میل جول،تعلق رشتہ اور بندھن وغیرہ ہیں۔باہمی تعلق پیدا کرنے میں تعارف کرانے کا بڑا ہاتھ ہے ۔آیئے آج آپ کو بعض لوگوں سے متعارف کروا دوں۔ممکن ہے آپ کی آئندہ زندگی میں یہ بھی کوئی کردار ادا کر سکیں۔نمبر۱۔ یہ رہے میرے دوست انور جلالصاحب! آج کل انور تو ہیں نہیں کیونکہ ضعفِ جگر سے بیمار رہنے کی وجہ سے چہرہ پر سے نور ایسے غائب ہوگیا ہے جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ہاں جلال میں کبھی کبھی آہی جاتے ہیں۔ ہیں تو دُبلے پتلے لیکن ملک کے لئے بڑی غیرت رکھتے ہیں ایک دن بھارت کے ساتھ کشمیر کے تنازعے کے متعلق کہنے لگے"ہم اپنے ملک کے لئے جانیں تک دے دیں گے" پھر کھانستے کھانستے بے ہوش ہوگئے۔نمبر۲۔پیرزادہ جسیم الدین سے تو آپ واقف ہی ہونگے۔ورنہ دیکھا تو ضرور ہوگا۔خدا جھوٹ نہ بلوائے ان کا وزن چار صد پونڈ ہے۔چلتے ہیں تو زمین ساتھ ساتھ دھنستی چلی جاتی ہے۔گردن اتنی موٹی ہے کہ کھڑے کھڑے اپنے دائیں طرف چار فٹ کے فاصلے پر پڑی ہوئی چیز کو بھی دیکھنے سے قاصر ہیں،صحت کا آپ پوچھیں تو کہیں گے:۔"یار کیا پوچھتے ہو صحت کا؟ روز بروز گر رہی ہے۔ابھی پرسوں ہی ڈاکٹر سے معائنہ کروایا ہے۔بھوک نہیں لگتی،ناشتہ صرف چار پراٹھوں،ایک درجن انڈوں،دو کلو دہی کا رہ گیا ہے۔نمبر۳۔ یہ ہیں جناب شرجیل صاحب! فلاسفر ٹائپ بندے ہیں ایک دن سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔میں نے پوچھا کیا سوچ رہے ہو؟ کہنے لگے:۔ارے بھئی!وہی دیرینہ سوال کہ"پہلے انڈہ پیدا ہوا کہ مرغی"لیکن مجھے خود حیرت ہورہی ہے کہ میں نے پیچیدہ مسئلے کو کس طرح حل کرلیا۔دیکھو بھئی!نہ پہلے انڈہ تھا نہ مرغی۔سب سے پہلے مرغ پیدا ہوا۔ٹھیک ہے یا نہیں"اور پھر انہوں نے مجھے بزورِ قائل کر ہی لیا۔عینک اور ٹوپی دونوں ہی پہن کر ہا کی کھیلتے ہیں دور کی چیز دیکھنا ہو تو عینک کو ذرا نیچے کرکے اس کے اوپر سے دیکھتے ہیں۔

نمبر۴۔ یہ ہیں مستنصر باللہ صاحب۔ہر وقت کتب بینی میں مصروف رہتے ہیں ہر وقت کتب ورسائل کی ورق گردانی میں مگن رہتے ہیں ان کو ادیب بننے کا شوق ہے۔وقت ضائع نہیں کرتے۔حتیٰ کہ پیشاب کو بھی گھنٹوں روکن کا تجربہ رکھتے ہیں۔تقریر کرنے بھی شوق ہے ایک پہلے پہل ایک موقع پر تقریر کرنے اُٹھے تو ڈر کے مارے سوائے زبان کے جسم کے سب جوڑ ہل رہے تھے۔لیکن آجکل تو"جڑے چیر"اور"دندان شکن"تقریر کرتے ہیں۔نمبر۵۔جمیل پرویز پرنس کہلاتے ہیں فاخرہ لباس پہنتے ہیں کریم پوڈر کا بے دریغ استعمال کرتے ہیں ان پر شبہ ہوتا ہے کہ میک اپ نے انہیں کیا

ہوا ہے۔ پاس سے گزر جایئے تو دماغ دیر تک معطر رہتا ہے۔ کسی میٹنگ میں آئیں تو گمان ہوتا ہے کہ جیسے "مارکوئیس آف پکاڈلی" اپنے باغ میں مٹرگشت کر رہا ہے۔ جنا ب محروم تخلص رکھتے ہیں اُن کے اشعار پڑھ کر زبردستی منہ سے نکل جاتا ہے۔" شاعری چارہ سمجھ کر سب گدھے چرنے لگے"۔

نمبر۵۔ ایک دوست ہیں کمال کے نڈر اور بے باک۔ ان کا نام شیر علی ہے۔ بڑے لمبے تڑنگے جوان ہیں۔ مگر بیگم کے سامنے بھیگی بلی بن کھڑے رہتے ہیں۔ جب بھی تھوڑی دیر ہونے لگتی ہے تو بیگم کا ڈر آڑے آنے لگتا ہے۔ جب کبھی بھی بیگم کا فون ہمارے سامنے آجائے تو ٹانگیں کانپنے لگ جاتی ہیں۔ اور پھر جلدی جلدی اجازت لے کر گھر کی طرف بھاگنے لگتے ہیں۔ جب کبھی ان سے پوچھیں تو کہتے ہیں بھئی گھر آباد رکھنا چاہتا ہوں۔ اب صنفِ نازک کا دور ہے۔ ہمارا دور گیا

احمد ندیم قاسمی

انداز ہُو بہو تری آواز پا کا تھا
دیکھا نکل کے گھر سے تو جھونکا ہوا کا تھا
اس حُسنِ اتفاق پر لُٹ کے بھی شاد ہوں
تیری رضا جو تھی وہ تقاضا وفا کا تھا
اس رشتہ لطیف کے اسرار کیا کھلیں
تو سامنے تھا اور تصور خدا کا تھا
چھپ چھپ کے روؤں کہ سرِ انجمن ہنسوں
مجھ کو یہ مشورہ میرے درد آشنا کا تھا
ٹوٹا تو کتنے آئینہ خانوں پہ زد پڑی
اٹکا ہوا گلے میں جو پتھر صدا کا تھا
حیران ہوں کہ دار سے کیسے بچا ندیمؔ
وہ شخص تو غریب و غیور انتہا کا تھا

سیف الدین سیف

کچھ تو رنگینیِ افکار کھلے
سیف چل مطلعِ انوار کھلے
برگِ گُل جیسے ہوا کے رُخ پر
کس لطافت سے لبِ یار کھلے
تو ذرا بندِ قبا کھول تو دے
جوہرِ نافہء تاتار کھلے
دیکھ اے کوچہء جاناں کی ہوا
دل کے دروازے کئی بار کھلے
زخمِ دل ہم نے چھپائے ورنہ
تیری آنکھوں نے کئے کئی بار کھلے
واہ کیا ڈھنگ ہیں صیادوں کے
لوگ پھرتے ہیں گرفتار کھلے

خواجہ عبدالمومن ناروے

مینہ برستے تو کتنا اچھا تھا
سبزے اُگتے تو کتنا اچھا تھا
کیا دیا ہے تجھے تکبر نے
خاک ہوتے تو کتنا اچھا تھا
جس کو غیرت ہے اپنے پیاروں کی
اس سے نی جھگڑتے تو کتنا اچھا تھا
سرفرازی نہ تجھ کو راس آئی
جھک کے رہتے تو کتنا اچھا تھا
کس کے کہنے سے ہم سے دور ہوئے
ساتھ رہتے تو کتنا اچھا تھا
مومن بن کر خدا کو پالو گے
مومن ہوتے تو کتنا اچھا تھا

مسلمان ماضی، حال، مستقبل

رانا عبدالرزاق خاں

صدیوں سے زندہ اور حکمران چلی آنے والی قوم۔ وہ قوم جس نے ظالم اور مظلوم دونوں کی مدد کی۔ وہ قوم جس نے شیر اور بکری کو ایک گھاٹ پانی پلایا۔ وہ قوم جس نے اپنے مغلوب اور محکوم کو ہر طرح کی آزادی دی۔ وہ قوم جس کا مدّ عا ابتدا سے لے کر انتہا تک صلح و آشتی کی روح پھونکنا تھا۔ اپنے اسلاف کی مثال کو لیجیئے۔ انہوں نے چیتھڑے پہن کر قیصر و کسریٰ کی خلعتِ فاخرہ کو نوچ ڈالا۔ خود تنکوں پر رات کاٹی اور بڑے بڑے کجکلاہوں کے تاج و تخت روند ڈالے اور دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک پرچمِ اسلام لہرا دیا۔ اور سپین میں وہ عظیم الشان سلطنت قائم کی جس کا آٹھ سو سالہ دور

نے یورپ کو جینا سکھایا۔ان کے پاس کیا تھا۔ایک لازوال تعلیم !اور بے نظیر حسنِ عمل۔ آج اس قوم کا شیرازہ بکھر چکا ہے۔وہ قوم آج ذلت اور بدبختی کے گہرے اور تاریک گڑھے میں گری ہوئی ہے وہی قوم پستی کی ایک ایسی وادی تک پہنچ چکی ہے جہاں نظر دوڑانے سے تو کیا شمع لے کر ڈھونڈنے سے بھی روشنی نہیں مل سکتی ۔وہ قوم جو اپنی جوانمردی اور بہادری سے مشرق میں سائبیریا تو مغرب میں فرانس کے سپوتوں سے ٹکرا رہی تھی آج وہی قوم دھتکاری جارہی ہے۔وہ قوم جس کے متعلق عیسائی مفکر نے کہا تھا"اگر یہ قوم چند سال اسی طرح رہی تو میں یقین سے کہتا ہوں کہ مسلمانوں کے بعد دنیا میں حکومت کرنے والا کوئی نہ ہوگا"۔۔۔افسوس وہ آندھی اپنی یکسانیت میں نہ رہی اور جلد ہی اپنی تیزی کھو بیٹھی ۔مسلمان اپنی اسی حالت میں نہ رہے اور جلد ہی بدل گئے انہوں نے اپنی شمشیر کو باہر نکالا ہی تھا کہ وہ ان سے چھن گئی مسلمان عیش وعشرت میں محو ہو گئے انہوں نے غداریاں شروع کیں مسلم جو غیر کی جان کا محافظ کہلاتا تھا اس نے اپنے ہاتھوں سے اپنے بھائی کو ذبح کر دیا۔مسلم جو ہزاروں کے ساتھ اکیلا میدانَ جنگ میں لڑا کرتا تھا آج ان چند آدمیوں سے اپنی عزت کا سودا کر رہا ہے وہی مسلمان جس نے کئی کئی دن اور راتیں میدانِ جنگ میں گزارتا تھا اب اپنے محلات میں رنگ رلیاں منا رہا ہے۔دسویں صدی ہجری میں مسلمانوں سے تقریباً سب علاقے چھن چکے تھے۔سوائے چند اُن علاقوں کے جو مسلمانوں کے تھے جن پر حکومت تو مسلم کی تھی مگر وہ عیسائیوں کے تابع تھے۔جب عیسائیوں نے مسلمانوں کو اُندلس سے نکالا تو ان پر ایسے ایسے مظالم ڈھائے گئے جن کو یہ قلم ضبطِ تحریر میں لانے سے قاصر ہے۔مسلمانوں کے بڑے بڑے خاندانوں کو نیست و نابود کر دیا گیا عورتوں کی عصمت دری کی گئی انہیں ننگا کر کے بے خانہ و بے اماں کیا گیا۔غرضیکہ وہ تمام مظالم جن کی طاقت انسانی ہاتھوں میں تھی وہ عیسائیوں نے کر دکھائے ۔پھر فرانسیسیوں نے مراکش،ٹینس،اور الجیریا پر اپنے ہاتھ پاؤں مضبوط کر کے ان کو آزادی سے محروم رکھا۔اس طرح عیسائیوں نے ترکوں سے تمام وہ علاقے چھین لئے جو ایشیائے کوچک کہلاتے تھے۔اور انہیں محدود کر دیا۔عرب کے جنوب میں عدن یعنی شہ رگ پر قبضہ کر لیا اسی طرح ہندوستان جس پر ایک ہزار سال تک مسلمانوں نے نہایت شان وشوکت سے حکومت کی تھی وہ بھی محکوم ہو گئی۔محمد بن قاسم کی عظیم الشان فتوحات نے ہمیشہ کے لئے ہندوستان کو مطیع بنا لیا۔اور اولیاء کرام نے اپنے عمل اور کردار سے اس قوم کی بے مثال تربیت کی کہ یہ قوم ایک مثالی قوم بن گئی تھی۔

مسلمانوں کی قوم اب نام کے اعتبار سے مسلمان ہے مگر اپنے ظاہری باطنی اخلاق،اپنے کردار،اپنے افعال،اور اپنے مقاصد کے لحاظ سے مسلمان نہیں۔اس کے وہ اخلاق و کردار نہیں جو پہلے تھے۔اس زمانے میں مسلمان خوش اخلاق،اعلیٰ کردار اچھے افعال اور پاکیزہ مقاصد کے مالک تھے۔لیکن آج کے مسلمان بداخلاق،بدکردار،بدافعال، اور گندے مقاصد کے لئے اپنے بھائی کا خون چوستے اور اُسے دغا دینے کی فکر میں رات دن بسر کرتے ہیں۔یہ وہی قوم ہے جس کے افراد غیر کے لئے یہ پسند نہیں کرتے تھے کہ کوئی میدانِ جنگ میں بغیر اسلحہ کے ان کے مقابل پر آئے۔لیکن آج کا مسلمان نہتے،بے کس،اور مظلوم بھائی کو ہی دھوکا دے کر مارے گا۔وہ مسلمان جو اپنے ہی نہیں بلکہ غیر کی بھی غمخواری کرتا تھا آج وہ اپنے بھائی کی تکلیف پر اس کا مذاق اُڑاتا ہے۔اور طعنے دیتا ہے۔جب مسلمان کی یہ حالت ہو کہ وہ نہتوں پر حملہ کرے اور بے بس کمزور سے اس کا اسباب چھینے اور امانت میں خیانت کرے اور بلی پر کتے کی طرح جھپٹے اور شیر کے سامنے بلی بن جائے وہ کیسے ترقی کر سکتا ہے؟ وہ کیسے امید کر سکتا ہے کہ اس کے ہاتھ میں دوبارہ عنانِ حکومت آئے گی ۔

ہمارے اَباواجداد اس لئے تاج وتخت کے وارث بنائے گئے کیونکہ وہ نیک تھے،وہ اپنے بھائیوں کے خیرخواہ تھے۔حقوق العباد بجالاتے تھے،عادل ومنصف تھے۔فرض شناس شفیق اور رحم دل تھے۔دوسری اقوام نے مسلمانوں کو ہر لحاظ سے محکوم بنا لیا ہے ۔مسلمانوں میں اعمال واخلاق کی پستی نے مستقل ڈیرہ ڈال لیا ہے،تفرقہ پرستی،باہمی بغض وعناد،جہالت اور تاریک خیالی نے انکو احساسِ کمتری میں مبتلا کر دیا ہے۔عمل و کردار کھوکھلا ہے۔قرآن اور اسلام پر کوئی عمل نہیں۔ہر کوئی تنہا لیڈر اور مفتی بن رہا ہے ۔باہم جب بھی مسلم اکھٹے ہوں ان کا ایک امام نہیں ہوتا حتیٰ کہ امامِ کعبہ کے پیچھے بھی بعض لوگ نماز نہیں پڑھتے۔انہوں نے قرآن پر عمل ترک کر دیا ہے۔خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کے باغی ہیں۔ہر برائی نے ان کے اندر گھر کر لیا ہے۔جب تک قرونِ اولیٰ کے اصحابِ کی طرح،حضرت رسولِ اکرم ﷺ کے جان نثاروں کی طرح، انصار ومہاجرین کی طرح،پیار واخوت کا درس نہیں لیتے،عزم وہمت کے پہاڑ نہیں بن جاتے،اتحاد وتنظیم واطاعت کو اپنا اوڑھنا بچھونا نہیں بنا لیتے،معراجِ انسانیت پا نہیں لیتے اور اپنی زندگیاں حُبِ رسول کے لئے وقف نہیں کر دیتے تب تک بابِ قبولیت کے در، وا نہیں ہوتے۔جب تک دوبارہ عنانِ جہاں بانی آپ کا مقدر نہیں بن سکتی۔

یقیں محکم،عمل پیہم، محبت فاتحِ عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

ابن کریم

جب وہ اتنا قریب ہوتا ہے
حال دل کا عجیب ہوتا ہے
جو بھی عیسیٰ خطاب پاتا ہے
وہ تو حاذق طبیب ہوتا ہے
جس کو حاصل یہ فیض ہو جائے
کس قدر خوش نصیب ہوتا ہے

وہ جو محرومِ وصلِ یار ہوا
اصل میں وہ غریب ہوتا ہے
وہ جو گر جائے اس کے قدموں پر
اس کا اونچا نصیب ہوتا ہے
جو فدا روح و جان و دل کردے
ہر طرف سے نجیب ہوتا ہے
سر جھکائے جو بس خدا کے ہاں
وہ خدا کا حبیب ہوتا ہے
اب بھی اس کا ہی فیض جاری ہے
ہر خلیفہ نقیب ہوتا ہے
کتنا لبریز کاسۂ دل ہے
ان کا دینا عجیب ہوتا ہے

احتیاط۔ایک دوست: (دوسرے سے) مجھے آج تک آپ کی بیوی سے ملنے کی مسرت حاصل نہیں ہوسکی۔دوسرا:۔تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ اس کی ملاقات تمہیں مسرت بخشے گی

خواہش۔کمانڈنگ افسر۔(پائلٹ سے) مگر سوال یہ ہے کہ تمہیں چھٹی کیوں درکار ہے؟۔پائلٹ۔جناب میری ''ایک گرل فرینڈ'' کی شادی ہورہی ہے اور اس کی خواہش ہے کہ میں اس میں دولہے کا رول ادا کروں۔

ارل آف کلین ریکارڈ

''ارل آف کلین ریکارڈ'' اپنے وقت کے ممتاز کنجوس گزرے ہیں وہ دوپہر کے کھانے کے وقت ہائیڈ پارک پہنچتے اور کسی خوانچہ فروش سے کھانا لے کر گھاس پر ہی بیٹھ کر کھانا کھا لیتے اور ساتھ کے ساتھ یہ بھی کہتے جاتے کہ کھانا بہت مہنگا ہوگیا ہے۔ایک دفعہ انہیں دعوت پر کسی ریستورینٹ میں مدعو کیا گیا تو انہوں نے نظر بچا کر ایک وقت کا توشہ جیب میں ڈال لیا اسی طرح ایک اور دعوت سے دو سینڈوچ بچا لئے تا کہ شام کے کھانے کے طور پر کھا سکیں۔انہوں نے ۱۹۶۱ء میں وفات پائی ان کے جانشین ''ارل آف ہیرڈ'' ہوئے۔جنہوں نے پرنس ''رائل'' سے شادی کی اس جوڑے ۲۵ لاکھ پونڈ ورثے میں ملے تھے۔

مبارک صدیقی

ہم تھے گلاب لوگ تیشہ بدست وہ
نکلے تھے کرکے ظلم کے سب بندو بست وہ
سمجھے تھے کم نگاہ کہ لکھتے ہیں بخت وہ
حاکم تھے اور صاحبان تاج و تخت وہ
پھر یوں ہوا کہ کھا گئے سارے شکست وہ
ہم ایک جان آج بھی اور لخت لخت وہ
اپنا یہی تھا جرم کہ نظریں اُٹھا کے ہم
نکلے تھے شب کے رُوبرو شمعیں جلا کے ہم
اس دل کے تا تار میں قرآں بسا کے ہم
نیزوں کے درمیاں بھی سینے سجا کے ہم
اک شہرِ کربلا تھا مگر مسکرا کے ہم
چلتے تھے کوئے یار کو پلکیں بچھا کے ہم
بیٹھے تھے موڑ موڑ پہ پہرے بٹھا کے وہ
نکلے تھے گام گام سے پرچم اُٹھا کے ہم
چلتے تھے شاخ شاخ سے جگنو اُڑا کے وہ
رکھتے تھے ڈال ڈال پہ ماہتاب لاکے ہم
چلتے تھے طاق طاق سے شمعیں بجھا کے وہ
رکھتے تھے بام بام پر سورج سجا کے ہم
کرنے چلے تھے روشنی نابود نیست وہ
قاتل تھے اور قاتلوں کے سر پرست وہ
سمجھے تھے کم نگاہ کہ لکھتے ہیں بخت وہ
حاکم تھے اور صاحبان تاج و تخت وہ
پھر یوں ہوا کہ کھا گئے سارے شکست وہ
ہم ایک جان آج بھی اور لخت لخت وہ
سمجھے خدا فروش کہ شاید خدا تھے وہ
اس ساری کائنات کے اب بادشاہ تھے وہ
دنیا گناہگار تھی اب پارسا تھے وہ
شاید نہیں یقین ہے اہل جفا تھے وہ
راہزن تھے اور راہزنوں کے راہنما تھے وہ
اور وارثانِ قاتلانِ کربلا تھے وہ
دیکھو خدا کے فضل سے ہیں برگ و بار ہم
دشمن خزاں خزاں ہے اور بادِ بہار ہم
گردو غبار وہ ہوئے مشکِ تاتار ہم
ان کا نصیب دشت ہے اور لالہ زار ہم
نفرت ہے ان کے دل میں کرتے ہیں پیار ہم
وہ سنگ راہ آن بھی اور کوہسار ہم
ہم اہل دل تھے اور موقع پرست وہ

پہنچے تھے اپنے زعم میں افلاک ہفت وہ
سمجھے تھے کم نگاہ کہ لکھتے ہیں بخت وہ
حاکم تھے اور صاحبان تاج و تخت وہ
پھر یوں ہوا کہ کھا گئے سارے شکست وہ
ہم ایک جان آج بھی اور لخت لخت وہ

جواہر پارے

دیوان اور ناول

اعلیٰ اشعار کے ایک دیوان نے ایک گھٹیا درجے کے ناول سے کہا: ''تم جانو! تمہارا کیا کام؟'' ''کیوں؟'' ''سچ بات سننا چاہتے ہو۔ تمہارا تو اردو لٹریچر میں شمار ہی نہیں ہوتا۔'' ''واہ میرے تو ساٹھ ہزار نسخے فروخت ہو چکے ہیں''

ارسطو سے پوچھا گیا ''حسن کیا ہے؟'' اس نے جواب دیا۔ ''یہ سوال اندھوں سے کرنا چاہیئے'' **وقت**۔ خدا تعالیٰ کی عنایت ہے تاکہ ہم اس سے فائدہ اُٹھائیں۔

خسرو۔ موت ایک نیند ہے جو سوتا ہے وہ بیدار نہیں ہوتا۔ **سعدی**۔ موت ایک دروازہ ہے جس میں سے ہر ایک گزرنا پڑتا ہے۔ **ملٹن**۔ زندگی ختم ہو جاتی ہے لیکن موت زندہ رہتی ہے۔ **سمجھ**۔ اس طرح کبھی کار نہ چلاؤ گویا کہ تم سڑک کے مالک ہو اس طرح چلاؤ گویا کہ تم کار کے مالک ہو۔ **عورت**، عورت مرد کے سر سے نہیں بنائی گئی کہ اس پر حکومت کرے۔ اور نہ ہی اس کے پاؤں سے بنائی گئی ہے کہ مسل دی جاوے۔ بلکہ پسلی سے بنائی گئی ہے تاکہ اس کے دوش بدوش چلے۔ اس کے بازو کے نیچے سے بنائی گئی ہے تاکہ اس کی حفاظت کی جائے اور اس کے دل کے قریبی حصے سے بنائی گئی ہے تاکہ اس سے محبت کی جائے (گورڈن ہائیام)

باسط کانپوری

اندھیری راتوں میں خواب بن کر کوئی جو آیا تو کیا کرو گے
لجا کے دیکھو آئینے میں جب اپنا چہرہ تو کیا کرو گے
ہوا میں خوشبو اور چاندنی رات بچھی ہے پھولوں کی سیج لیکن
کیا تھا آنے کا جس نے وعدہ وہی نہ آیا تو کیا کرو گے
بدن چرا کے نظر جھکا کے کیا تھا وعدہ وفا کا تم نے
ہوا نہ تم سے اگر یہ وعدہ کبھی نہ پورا تو کیا کرو گے
تمہاری دنیا میں زندگی کی ہمارے دَم سے یہ رونقیں ہیں
ہمارے جانے سے ہوگی تنہا تمہاری دنیا تو کیا کرو گے
تمہاری غزلیں تو آئینہ ہیں تمہارے دل کی رفاقتوں کا
سنا کے شعروں کو اپنے باسط ہوئے جو رسوا تو کیا کرو گے

ہارون الرشید

دل سے ہر نقشِ تمنا کو مٹا کر دیکھیں
زندگی سادہ اُصولوں سے سجا کر دیکھیں
چاک دامانوں گریبان ہوئے جاتے ہیں
اس تمنا میں کہ ہم غم کو مٹا کر دیکھیں
کاغذی پھول رہیں گے یہ سدا کاغذی پھول
آپ ان کو کسی صورت بھی سجا کر دیکھیں
فہم و ادراک کی جو بات کیا کرتے ہیں
اپنے ماضی کی وہ تصویر اُٹھا کر دیکھیں
جاگ جائے کوئی سویا ہوا لمحہ شاید
اُن کو افسانۂ پارینہ سنا کر دیکھیں
لوگ سمجھیں گے اسے میری تباہی کا سبب
آپ رَسماً کوئی اَفسانہ سنا کر دیکھیں
ڈر ہے تنہا کو نہ رُسوا یہ زمانہ کردے
آپ اس طرح نگاہیں نہ ملا کر دیکھیں

(نوشتہ دیوار)

او دیس سے آنے والے بتا
کس حال میں ہے لیلائے وطن
دلدارِ وطن، سرکارِ وطن
وہ سیمیں بدن، وہ غنچہ دہن
وہ رشکِ چمن، فردوسِ وطن،
محروم ہیں جس کی دید سے ہم
کس حال میں ہے وہ ارض وطن
او دیس سے آنے والے بتا
کیا اب بھی وطن کے گلشن پر
آئینِ خزاں کا پہرہ ہے
کیا اب بھی وطن کے دہقاں کا
بے نور سا ویراں چہرہ ہے

انصاف وہاں کا کیا اب بھی
کانوں سے سراسر بہرا ہے
او دیس سے آنے والے بتا
کیا اہل ہنر کی نا قدری
اقدار میں اب بھی شامل ہے
کیا فکرو نظر کی آزادی
تعزیر میں اب بھی داخل ہے
کیا اب بھی ستم پر آمادہ
اس شوخ کی چشمِ قاتل ہے
او دیس سے آنے والے بتا
کیا ٹھنڈی سڑک پر شام ڈھلے
بھر مار وہی ہے کاروں کی
اوقات وہی ہے کیا اب بھی
اس بستی کے ناداروں کی
کیا اب بھی پریشاں پھرتی ہے
اک فوج وہاں بیکاروں کی
او دیس سے آنے والے بتا کیا
اب بھی وہاں پر رشوت کا
ہے گرم وہی بازار بتا
کیا اب بھی خوشامد کا سکہ
دیتا ہے وہی جھنکار بتا
کیا اب بھی صداقت کے بدلے
ملتی ہے سزائے دار بتا
او دیس سے آنے والے بتا
کیا اب بھی ترازو میں زر کے
بکتے ہیں وہاں گلفام بتا
کیا جُرم محبت کا اب بھی
ہوتا ہے وہی انجام بتا
کیا اب بھی غرباء کی عزت
ہوتی ہے یوں ہی نیلام بتا
او دیس سے آنے والے بتا
کیا اب بھی جماعت کی صف میں
شامل ہیں وہی اصنام بتا

کیا اب بھی دکھاوے کا واں پر
باقی ہے وہی اسلام بتا
کیا اب بھی ستم کے ماروں کے
ہے تلخ وہی ایام بتا
او دیس سے آنے والے بتا
اک روز پلٹ کر آئیں گے
پھر سُوئے وطن غم خوارِ وطن
اے رشکِ چمن، فردوسِ وطن
زندہ ہیں تیرے بیمارِ وطن
کیا دیس نکالا دے کے ہمیں
سُکھ چین سے ہے سرکارِ وطن
اللہ بتا! اللہ بتا!!!
او دیس سے آنے والے بتا

ڈیلی پکار میں مرزا عارف رشید کی طرف سے
صحافی حضرات کا تعارف

۱۔ڈاکٹر شاہد مسعود۔۔المعروف قیامت کی نشانیاں بتانے والے ۲۔حامد میر ۔۔وڈے صحافی۔۳۔مبشر لقمان۔۔ جھوٹ کو سچ بنانے والے۴۔کامران۔۔ مردِ بحران۔۵۔حسن نثار۔۔ المعروف عقلِ کُل ۔۶۔جاوید چوہدری۔۔المعروف سمجھداروں کی نانی۔۷۔مہر بخاری۔۔المعروف ساری دنیا کا درد رکھنے والی۔۸۔مظہر عباس المعروف با بائے صحافت۔۹۔مشتاق منہاس۔بابا جی پڑھے لکھے ۱۰۔ماروی سرمد۔گلیمرس کوئین۔۱۱۔ارشد شریف و نصرت جاوید پہنچے ہوئے صحافی۔۱۲۔فاروق منیب ۔تاریخ سے نابلد۔۱۳، آفتاب اقبال۔۔ المعروف اُردو کے تلفظ درست کروانے والے۱۴۔سہیل وڑائچ۔المعروف ہم گھر گئے۔۱۵۔عاصمہ شیرازی۔المعروف پردہ دار خاتون۔۱۶۔ابراہیم سیمی۔المعروف نئی نئی آمد۔

اَرشاد عرشی ملک

ہاتھ میں ہمارے دُعا کا عصا اس دور کے ساحروں کے لئے
لے کے آئیں نئی رسیاں،سوٹیاں،ہے یہ پیغام جادو گراں کے لئے
شوق سے اپنے ڈھنڈورچی بھیج دو سارے افسوں گروں کو اکھٹا کرو
کیوں ہراساں ہو تم ہار سے اس قدر ،دن مقرر کرو فیصلوں کے لئے

یہ زمانہ ہے شداد نمرود کا،دھونس دھاندلی اور بارود کا
کوئی فرعون ہے کوئی ہامان ہے ،خوب موقعے ہیں غارت گروں کے لئے
صرف بُجے عمامے ہیں مُلّاں کا دیں دل میں ذوقِ یقیں ہے نہ علم الیقیں
مسئلے بانٹتے اُن کو صدیاں ہوئیں ،حیف ہے ایسے سوداگروں کے لئے
جو غرورِ عبادت جبیں میں لئے ،بندگانِ خدا سے نہ گُھل مل سکے
اُن کے سجدے یہیں خاک میں رہ گئے ،خاک باقی ہے پیشانیوں کے لئے
تیرہ باطن گریزاں رہے نور سے،وہ ہیں مانوس ظلمت کے دستور سے
شب گزیدہ کو کیا روشنی کی طلب،دن تو آفت ہے چمگادڑوں کے لئے
ہم موحد ہیں رسمی مقلد نہیں،خود گھڑے مقلدوں کے مقید نہیں
ہم کو جکڑو نہ رسموں کی زنجیر میں،یہ تو تنکے ہیں ہم سر پھروں کے لئے
بیچ کر ہم نے خود کو خدا پالیا ،منزل گُم شدہ کا پتہ پا لیا
جھکنے والوں نے کیا سے کیا پالیا،رفعتیں وقف ہیں عاجزوں کے لئے
اپنے الفاظ کیا، اپنے جذبات کیا عرشیؔ بے نوا تیری اوقات کیا
پھر بھی اپنی گواہی قلم بند کرو،آنے والے نئے منصفوں کے لئے

چودھویں صدی کے مُلاؤں کی اَقسام ۔۔۔ابنِ لطیف

حضرت رسول اکرم ﷺ کی ایک حدیث کا مفہوم کچھ یوں ہے۔لوگوں پر ایک ایسا وقت آنے والا ہے کہ جب اسلام کا کے نام کے سوا کچھ باقی نہ رہے گا اور قرآن محض رسم بن جائے گا اُن لوگوں کی مساجد بظاہر آباد مگر ہدایت سے خالی ہوں گی۔اُن کے علماء آسمان کے نیچے بدترین مخلوق ہونگے۔اُنہی میں سے فتنے اُٹھیں گے اور واپس اُنہی میں لوٹ جائیں گے۔۔آج رنگا رنگ کے مُلّاؤں کو دیکھ کر جو اسلام کے نام پر قسما قسم کے تماشے کررہے ہیں دل گواہی دیتا ہے کہ اے پیارے حضور ﷺ آپ نے جو نقشہ کھینچا تھا وہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے اور میں شہادت دیتا ہوں کہ واقعی یہ علماء ء آسمان کے نیچے بدترین مخلوق ہیں۔(درج ذیل تحریر میں حقیقی اسلام کی تعلیم دینے والے علماء مراد نہیں) حضرات! دنیا بھر میں مختلف انواع واقسام کے مولوی پائے جاتے ہیں آج ہم پاک سرزمین شاد باد میں آباد لوگوں کی گردنوں پر سوار مولویوں کی چند اقسام سے آپ کو روشناس کروائیں گے۔مُلّاں رنگ باز۔میڈیا کی گھر گھر رسائی کے سبب اس قسم نے بڑی شہرت پائی ہے اس کا دوسرا نام ڈرامے باز اور تیسرا شعبدہ باز مولوی ہے۔یوٹیوب اور دوسرے سوشل میڈیا میں ان کی لغویات ،واہیات حرکات وسکنات و پُھرتیات اور ڈرامے دیکھ کر لاکھوں افراد محظوظ ہوتے ہیں۔ان میں مولوی ٹوکا،مولوی کرنٹ،اور مولوی بھنگڑا قابل ذکر ہیں۔چونکہ یہ اقسام عوام میں خاصی شہرت پا رہی ہیں۔اس لئے ممکن ہے کہ مستقبل قریب میں کچھ اس قسم کی اقسام بھی مارکیٹ میں دستیاب ہوں۔مثلاً مولوی بندوق،مولوی گنڈاسہ،مولوی ایٹم بم،مولوی چُھرا،مولوی راکٹ وغیرہ وغیرہ۔ان کی سب سے گھٹیا قسم وہ ہے جو اپنے مریدوں سے خود کو سجدے کرواتی ہے۔مُلّاں فساد فی سبیل اللہ۔یہ قسم آج کل بڑی ''اِن'' ہے۔چند روپوں کی خاطر یہ فتویٰ دینے والی بلائیں توہینِ رسالت اور توہینِ قرآن کے متعلق فتوے جاری کرتی ہیں۔اور بے گناہوں کو زندہ جلوا کر یا کبھی پتھر مار مار کر سفاکی کا مظاہرہ کرواتی ہیں۔جائیدادوں اور املاک پر قبضہ،حسد،ذاتی رنجشیں،جھگڑے اور دیگر مسائل سے نپٹنے کے لئے بہت سے لوگ ان سے فائدہ اُٹھا چکے ہیں۔دیگی مولوی۔یہ فسادی مولوی کی ہی ایک قسم ہے۔لوگوں کو مار دھاڑ پر اُکسانے والی یہ مخلوق وقت پڑنے پر داڑھیاں منڈوا کر دیگوں میں گھس کر جان بچاتی ہے۔جنرل اعظم خاں نے ۱۹۵۳ء میں لاہور میں ہونے والے فسادات کے دوران بڑی تعداد میں ان کو دیگوں سے برآمد کیا تھا۔یہ گرگٹ کی طرح رنگ بدلتے ہیں اور وقت کے ساتھ ساتھ ان کی پلاننگ بھی بدل رہی ہے۔لال مسجد میں جہاد کی تعلیم دینے والے مولوی صاحب نے دیگ میں چُھپنے کی بجائے برقعہ پہن کر فرار ہونے کی کوشش کی ان صاحب نے متعدد بار گورنمنٹ کو خودکُش حملوں کی دھمکیاں دیں اور کہا کہ شہادت اُن کی آخری خواہش ہے مگر جب وقت آیا تو میدانِ جنگ میں بچوں اور فقط ایک سو بچوں کو چھوڑ کر خواتین کے ساتھ برقعہ پہن کر فرار ہوتے ہوئے دبوچ لئے گئے۔حلوہ مولوی۔یہ میٹھی قسم کے مولوی ہیں انہیں حلوہ کھلا کر جنت تک کا پروانا لیا جاسکتا ہے افسوس کہ یہ بے ضرر قسم کے مولوی مفقود ہوتے جارہے ہیں زمانے کی ضروریات کے مدنظر ان کی جگہ نئی ٹائپ کے مولوی اُبھر کے آئے ہیں۔جیسے مولانا ڈیزل،مولانا حج کرپشن وغیرہ۔ان مولویوں کی پہچان ان کی موٹی گردن اور پھیلی ہوئی توند ہے۔مولوی پینترا۔یہ مولوی بھیس،بیان،چہرے،وفاداریاں اور پینترے بدلنے میں لاثانی ہیں۔ان کے بانی پاکستان بننے کے سخت مخالف تھے۔قائداعظم اور ان کے ساتھیوں کی حکومت کو کافرانہ حکومت کہتے تھے۔اور اعلان یہ کرتے کہ پاکستان تو دور کی بات ہے اس کی ہم پ بھی نہیں بننے دیں گے۔پاکستان بننے کے فوراً بعد ۱۸۰ ڈگری کا یوٹرن لے کر پاکستان کے سب سے زیادہ ہمدرد بن کر اُبھرے ان میں سے ایک کا بیان بہت مقبول ہوا کہ۔'' ہم پاکستان بنانے کے گناہ میں شریک نہ تھے''۔یہ عظیم مفتی ۱۹۷۴ء کی اسمبلی کے روحِ رواں تھے۔چنانچہ انہوں مولانا ڈیزل، جو اپنے والد محترم کا نام آج بھی زندہ رکھے ہوئے ہیں۔ان کی اکثریت امریکہ کے خلاف رہی مگر تعجب ہے کہ اس گناہ میں شریک ہمارے آباہ واجداد سے انتقام اس رنگ میں لیا کہ کہ آج بھی ہماری گردن پر سوار ہیں۔ان کی اولاد میں سے ایک مولانا کی اولاد امریکہ میں ہی تعلیم حاصل کرتی ہے اور وہیں پر مستقل رہائش رکھتی ہے۔ان کو علاج کے لئے بھی امریکہ ہی کے ہسپتالوں میں جانا پڑتا ہے اور افسوس کہ ان کی موت بھی امریکہ میں ہی ہوتی ہے۔مولوی قصاب۔یہ کسی تعارف کے محتاج نہیں گردنیں کاٹنا اُن کا محبوب ترین مشغلہ ہے۔بچوں کو جنت کے جھانسے دے کر اُنہیں خودکُش جیکٹس پہناتے ہیں مولویوں میں سب سے خطرناک

اور درندہ صفت ہیں۔ان کو طالبان کے نام سے جانا جاتا ہے،ان کا ایک نیم مولوی بمبار بھی ہے ہزاروں بے گناہ بچوں کو،مردوں کو،عورتوں اور بوڑھوں کو موت کے گھاٹ اُتار چکے ہیں۔ان پر زیادہ لکھنا موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔مولوی چونکہ چنانچہ لیکن۔یہ مولوی میڈیا پر آکر طالبان کی مذمت کرتے ہیں مگر ساتھ ہی ''چونکہ، چنانچہ،لیکن،پس،لہذا ثابت ہوا جو کروا رہا ہے امریکہ کروا رہا ہے'' کے بھاشن سناتے ہیں۔قصاب مولویوں کی کامیابی انہی کی مرہون منت ہے۔انہوں نے عوام کو ایسا اُلجھا رکھا ہے کہ آج تک اُنہیں سمجھ نہیں آئی کہ ان کا اصل دُشمن کون ہے ۔معاشرے کی اصلاح کے نام پر ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنانے والے یہ خدائی فوجدار اپنی ہر ناکامی پر، برائی یا گناہ کا سہرہ یہودیوں،امریکنوں،ہندوؤں اور دوسرے اہل مغرب کے سر باندھتے ہیں۔انہی اقسام میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو بچوں کے ساتھ بدفعلی کر کے ان کا گلا گھونٹ کر قتل کرتے ہیں پھر اُن کا جنازہ بھی خود پڑھاتے ہیں۔اور جب پولیس پکڑ لے تو شرمندہ ہو کر کہتے ہیں کہ مجھ سے ایسا شیطان نے کروایا۔مولوی وارنٹ۔ایسے مولوی کو اگر کسی سوال کا جواب نہ آئے تو سوال پوچھنے والوں کے لئے کفر کا وارنٹ جاری کرتے ہیں۔نہایت ڈھٹائی سے معصوموں کے لئے جہنم اور موت کے وارنٹ جاری کرنا ان کا محبوب مشغلہ ہے۔مُلاں آن لائن۔ان کی شکلیں دیکھ کر قے آتی ہے۔ٹی وی پر آکر ایسی جاہلانہ حرکات کرتے ہیں کہ الامان الحفیظ۔یہ ٹی وی پر آکر کبھی وظیفے بتاتے ہیں۔تو کبھی استخارہ کرتے ہیں۔کبھی مخالف مسلک رکھنے والوں کے قتل عام کرنے کا فتویٰ جاری کرتے ہیں مساجد اور خدا کے نام پر لوگوں سے پیسے بٹورتے ہیں۔پہلے یہ اپنے مدرسوں کے بچوں سے بسوں میں بھیک منگواتے تھے۔یا پھر مساجد کے لاؤڈ سپیکرز کے ذریعے چندہ مانگا کرتے تھے اب ٹی وی پر بنفسِ نفیس،کئی کئی مرلوں کے تھوبڑے لے کر پچاس پچاس پونڈز مانگتے نظر آتے ہیں۔جنوں والا مولوی۔یہ جن نکالنے اور جان نکالنے کے ماہر ہوتے ہیں۔کئی عشروں سے لوگوں کو بیوقوف بنایا ہوا ہے۔سینکڑوں کی تعداد میں رنگے ہاتھوں پکڑے بھی جاتے ہیں۔مگر جاہل عوام انہیں جعلی پیر کہہ دیتی ہے۔مُلاّں کلین شیو۔یہ جدید قسم ہے چہرے پر داڑھی اور بعض دفعہ مونچھ بھی نہیں ہوتی۔سنا ہے کہ اُن کے پیٹ میں داڑھی ہوتی ہے۔ضیاء الحق کو اس نسل کا بانی مانا جاتا ہے۔جن کی باقیات میں سے کلاشنکوف و ہیروئن کلچر،منافقت،شدت پسندی،کٹھ ملائیت اور نواز شریف یادگار ہیں۔(ماخوذ)

بہو کی تلاش ـــــ ارشاد عرشی ملک

ہم سے ہماری عزیزہ نے یہ کہا
لکھتی ہو تم لڑکیوں کی حمایت میں سدا
لڑکے کی ماں ہوں پر بڑی مشکل میں مبتلا
ہمت ہے گر تو میرے مسائل لکھو ذرا
بیٹے کے واسطے مجھے دُلہن کی ہے تلاش
پھرتی ہوں چار سُو لئے اچھی بہو کی آس
لیکن کھلا کہ کام یہ آساں نہیں ہے اب
خود لڑکیوں کی ماؤں کے بدلے ہوئے ہیں ڈھب
پڑھ لکھ کے لڑکیاں بھی ہیں کاموں پہ جارہیں
لڑکوں سے بڑھ کے بعض ہیں پیسے کما رہیں
معیار شوہروں کا کچھ اُن کی نظر میں ہے
مشکل کوئی سماتا اُن کی نظر میں ہے
اَک ماں سے رابطہ کیا رشتے کے واسطے
کہنے لگی گھر آنے کی زحمت نہ کیجئے
لڑکی ہے بینک میں وہیں لڑکے کو بھیجئے
سی۔وی بھی اپنا ساتھ وہ لے جائے یاد سے
مل لیں گے ہم بھی بیٹی نے او کے اگر کیا
ورنہ زیاں ہے وقت کا ملنے کا فائدہ؟
اِک اور گھر گئے تو نیا تجربہ ہوا
لڑکی کی ماں چھوٹتے ہی بر ملا کہا
نوکر ہیں کتنے آپ کے گھر میں بتایئے؟
ہر بات کھل کے کیجئے کچھ نہ چھپایئے
بیٹی کو گھر کے کام کی عادت نہیں
ذرا اس کے لئے تو کام کچن کا ہے اک سزا
شوقین ہے اگر لڑکا دال ساگ کا
لڑکی پھر نگاہ میں '' پینڈو'' ہے وہ نرا
برگر جسے پسند ہے،پیزا پسند ہے
رُتبہ نگاہِ حُسن میں اُس کا بلند ہے
اِک اور گھر گئے تو طبیعت دہل گئی
پاؤں تلے سے گویا زمیں نکل گئی
پوچھا ہمیں جو لڑکی نے نظروں سے ناپ کے
کیا کیا پکانا آتا ہے بیٹے کو آپ کے؟
گر شوق ہے کُکنگ کا تو بے شک سلیکٹ ہے
بیڈ ٹی بھی گر بنا نہ سکا تو ریجکٹ ہے
گو تیز ہوں مزاج کی دل کی بھلی ہوں میں

چونکہ اکیلی بیٹی ہوں لاڈوں پلی ہوں میں
اِک گھر کیا جو فون، تو لڑکی ہی خود ملی
کہنے لگی کہ گھر پر نہیں ہیں ہے مدر مری
کہتی تھی فون آئے گا رشتے کے واسطے
شادی جسے ہے کرنی وہ بات آپ ہی کرے
فرصت نہیں ہے مجھ کو ملاقات کے لئے
گھر لوٹتی ہوں جاب سے آنٹی میں دیر سے
ہاں چاہیئے بیٹا آپ کا گر جاننا مجھے
کہیے کہ فیس بک پر مجھے ایڈ وہ کرے
لکھ لیجیئے احتیاط سے آپ آئی ڈی مری
موجود فیس بک پہ میں ہوتی ہوں ہر گھڑی
اِک دوسرے کر لیں گے انڈر سٹینڈ ہم
بعد اس کے ہی بجائیں گے شادی کا بینڈ ہم
اِک اور گھر گئے تو عجب حادثہ ہوا
لڑکی نے بے دھڑک میرے بیٹے سے یہ کہا
ورکنگ ہوں میں،سو ہیں مرے کچھ مرد بھی فرینڈ
اُمید ہے کہ آپ نہیں " نیرو مائنڈڈ"
دنیا نکل گئی ہے کہاں سے کہاں جناب
اب بھول جائیں آپ غیرت کا وہ نصاب
جس گھر گئے وہاں ہمیں جھٹکے نئے لگے
عزتّی ہمارے ہاتھوں کے طوطے ہی اُڑ گئے
آخر کھلا یہ راز کہ اپنی ہے سب خطا
بیٹے کی تربیت میں بہت رہ گیا خلا
کھانا پکا سکے جو نہ چائے پکا سکے
وہ کس طرح آج کی لڑکی کو بھا سکے
لڑکی کے دوستوں سے جو ہنس ہنس کے ملے
دل میں نہ لائے رنج، نہ ہونٹوں پہ ہوں گلے
بیوی کے وہ مزاج کا ہر پل غلام ہو
تیور اسی کے دیکھتا وہ صبح و شام ہو
پڑھ لکھ کے لڑکیوں کا رویّہ بدل گیا
بے شک زمانہ چال قیامت کی چل گیا

﴿ مہکتی کلیاں ﴾

سرزنش

"امی دیکھیئے ہمارے گھر کے باہر ایک بہت بڑا بلا کھڑا ہے بالکل ہاتھی کے برابر" ایک بچے نے اپنی امی سے کہا۔ماں نے سرزنش کرتے ہوئے کہا" بات کو اتنا بڑھا چڑھا کر بیان نہ کیا کرو تمہاری اس بُری عادت پر میں تمہیں پچاس کروڑ بار ٹوک چکی ہوں"۔

فقیر اور محکمہ پولیس

فقیروں کو اگر محکمہ پولیس دے دیا جائے تو تفتیش کچھ اس طرح ہوا کرے گی۔"اے چور اللہ کے نام پہ بتا دے کہ تو نے کہاں چوری کی ہے۔اللہ تجھے چوری کی مزید توفیق دے۔اے ڈاکو بھائی! تیرے ڈاکے چلتے رہیں اور ہمارا محکمہ پلتا رہے۔۔۔۔سچ سچ بتا دے کہ اس ہفتے کتنے ڈاکے مارے ہیں۔اے اچھے قاتل! ہم تیرے آگے ہاتھ جوڑتے ہیں۔خدا کے واسطے ہمارے کان میں بتا دے کہ قتل تو نے کیا ہے۔۔۔۔ارے ہے کوئی جو اللہ کے نام پر ہمیں لُٹیروں اور دہشت گردوں کو پکڑ دے ہم اس کے اعزاز میں شاندار دعوت کریں گے"

بے مثال تحفہ

جس کسی نے پہلی بار کہا تھا کہ میاں بیوی ایک گاڑی کے دو پہیے ہیں تو اس نے اپنی دانست میں بھلائی ہی کی بات کہی ہوگی۔لیکن ہوا یہ کہ بیویاں شوہر کو سچ مُچ کا پہیہ سمجھنے لگیں جدھر چاہتی ھیں گما دیتی ہیں کیونکہ بے جان چیز کے کوئی حقوق نہیں ہوتے اس لئے اس بندہ مجبور کے اوقات اس کے اپنے گھر میں تنگ ہو جاتے ہیں۔

مہکتی کلیاں

☆سوچ گہری ہو جائے تو فیصلے کمزور پڑ جاتے ہیں۔☆غم کا علاج مصروفیت ہے۔☆اپنے ہر خیال، ہر عمل میں نیک بنو۔☆آدمی کا بہترین استاد تجربہ ہوتا ہے۔اور زندگی کی ٹھوکریں اعلیٰ ذریعہ تعلیم۔☆سب سے اچھا دوست وہ ہے جو تمہیں تمہارے عیوب سے آگاہ کرے اور دُشمن وہ ہے جو منہ پر تعریف کرے۔☆وقت صرف ان سے وفا کرتا ہے جو اس کی قدر کرتے ہیں۔☆کسی انسان کی عظمت،شرافت پرکھنے کا پیمانہ یہ ہے کہ دیکھیں کہ اس کا رویّہ ان لوگوں سے کیسا ہے جو اسے کچھ نہیں دے سکتے۔

نمکین غزل

میری محبت کو اپنے دل میں ڈھونڈ لینا
اور ہاں! آٹے کو اچھی طرح گوندھ لینا
مل جائے اگر پیار تو کھونا نہیں
پیاز کاٹتے وقت رونا نہیں

مجھ سے روٹھ جانے کا بہانہ اچھا ہے

تھوڑی دیر اور پکاؤ، گوشت ابھی کچا ہے
مل کے پھر خوشیوں کو بانٹنا ہے
ٹماٹر ذرا باریک ہی کاٹنا ہے
لوگ ہماری محبت سے جل نہ جائیں
چاول ٹائم پہ دیکھ لینا کہیں گل نہ جائیں
کیسی لگی غزل ، بتا دینا
نمک کم لگے تو اور ملا دینا

توجہ فرمائیں۔ وہ چھوٹی چھوٹی اغلاط جو ہم سلام کہتے ہوئے کر جاتے ہیں۔

ا۔۔ اَلسلاموعلیکُم	تم پر سلامتی ہو
۲۔۔ساموعلیکم..........	تم برباد ہو جاؤ
۳۔۔اساموعلیکم.........	تم کو موت آئے
۴۔۔اساکم.............	تم خوشی کو ترسو
۴۔۔سلامالیکم	تم پر لعنت ہو

یہ ہے پاکستان

ا۔یہاں ہر مال بکا ہے دو آنے
۲۔جرنیل بکے ہیں دو آنے
۳۔سیاستدان بکے ہیں دو آنے
۴۔سفارتکار بکے ہیں دو آنے
۵۔بیوروکریٹ بکے ہیں دو آنے
۶۔جج بکے ہیں دو آنے
۷۔کھلاڑی بکے ہیں دو آنے
۸۔پولیس بکے ہیں دو آنے
۹۔مُلّاں بکے ہیں دو آنے
۱۰۔وزراء بکے ہیں دو آنے
۱۱۔ڈگریاں بکی ہیں دو آنے